لکھنؤ
تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ

امتوں کی تقدیر

امتوں کی تقدیریں ان میں بھیجے گئے رسولوں کی اتباع وانقیاد، ان کے جھنڈے تلے جمع ہونے ان کی سیرت کو اپنانے اور عزت و ذلت ہر حال میں ان کی رکاب سے وابستہ رہنے سے متعلق ہوتی ہیں چنانچہ کوئی امت تمام طاقتوں عقل و وسائل کے ساتھ زمانے، تہذیب، فلسفوں اور حالات و حوادث کے تمام ترقیوں کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ نبیؐ کی اتباع، اس سے محبت اور اس کی دعوت کے لیے ہر حال میں جدوجہد نہ کرے اور جو امت بھی اس طریقے سے ہٹ کر عزت، سیادت اور قوت و اہمیت کے حصول کے لیے اپنی دانشمندانہ سیاست یا کسی بڑی طاقت کی پشت پر بھروسہ کرتی ہے تو اس کا انجام ذلت و ناکامی، داخلی انتشار اور دیر سویر رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

(منصب نبوت)

فی شمارہ =/5/ روپے

۲۵ نومبر ۱۹۹۳ء

Regd. No. LW/NP56

Office [illegible]
Princi. [illegible]
G. House [illegible]

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY
NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)

آپ کی خدمت میں جدید و دلکش
سونے چاندی کے زیورات کے لیے ہمارا نیا شوروم
گہنہ پیلس
حاجی عبدالرؤف خاں۔ حاجی محمد فہیم خاں۔ محمد معروف خاں
ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ
فون نمبر: - ۲۶۷۹۱۰ ---------- 267910

بمبئی میں
مٹھائی کی دنیا کا ایک ہی نام
★ انواع و اقسام کی خوش ذائقہ و دل پذیر مٹھائیاں
★ دیسی گھی زعفران و میوے سے بھرپور۔
طہور اسویٹس
• اسپیشل افلاطون • مینگو برفی • ڈرائی فروٹ برفی • انجیر برفی • پائین ایپل برفی • ڈنگ لڈو • چشیہ لڈو • قلاقند اور نان خطائی
ناگپاڑہ جنکشن ۴۵/۲۲۵ بیلاسس روڈ بمبئی
فون ۳۰۸۲۷۰۳-۳۰۹۱۳۱۸

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ خوشبودار عطریات، عمدہ و اعلیٰ قسم کے روغنیات و عرق کیوڑہ۔ عرق گلاب و دیگر عرقیات کی ایک قابلِ اعتماد دوکان۔ ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں۔
خط و کتابت کا پتہ
اظہار احمد اینڈ سنس پرفیومرس
چوک لکھنؤ
اظہار احمد اینڈ سنس
پرفیومرس
چوک۔ لکھنؤ
عطر حنا
عطر شمامہ
IZHAR AHMAD & SONS
PERFUMERS
TRADE MARK
CHOWK-LUCKNOW
226003

مکتبہ ضیاء کی مبارک پیشکش
القرآن الکریم
خصوصاً طلبہ حفظ کیلئے نادر تحفہ
روشن طباعت، عمدہ کاغذ، مضبوط بائنڈنگ
رنگین کی خوبصورت جلد سازی جو اپنی نوعیت اور معیار کے لحاظ سے منفرد ہے۔ سائز 23×18 ہدیہ نمبر ۱ 50/- نمبر ۱۱ 35/-
ملنے کا پتہ:- مکتبۃ اللہ دیہ مس، پ ب ۹۳، ندوۃ العلماء لکھنؤ
مکتبہ ضیاء نزد جامع مسجد قطب پورہ ڈالی گنج لکھنؤ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ — پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۱ — ۲۵ نومبر ۱۹۹۳ء مطابق ۹ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ — شمارہ نمبر ۲

سرپرست

مولانا معین اللہ ندوی

نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا محمود الازہار ندوی

مولانا سلمان حسینی ندوی — مولانا محمد خالد ندوی

مولانا عبد اللہ حسنی ندوی — مولانا محمد رضوان ندوی

ڈاکٹر ہارون رشید

زرِ تعاون ملکی

سالانہ ۱۰۰ روپے

فی شمارہ ۵ روپے

بیرون ممالک ہوائی ڈاک

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک ۲۵ ڈالر

بیرون ممالک بحری ڈاک

بحری ڈاک جلد ـــ ۱۰ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس 93
ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 (یوپی)

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

نوٹ

چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں جس نام و پتہ پر تعمیر حیات جاتا ہے اس کی صراحت منی آرڈر کوپن پر ضرور کریں۔

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے گوپال آفسٹ میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کیلئے شائع کیا

درس حدیث

ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی ـــــ ترجمہ: شمس الحق ندوی

محبت کی اثر انگیزی

آدمی اسی شخص کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے

(حدیث)

عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنہ قال: المرء مع من أحب۔

حضرت عبد اللہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "آدمی (کا حشر) اسی شخص کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت (تعلق خاطر) ہوگا۔"

حدیث کے عام مفہوم

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت محض زبانی دعویٰ اور جذب و مستی کے اظہار کا نام نہیں بلکہ اصل زبانی دعویٰ اور جذب و مستی کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی اور انہیں کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا اور آپ کے طریقۂ زندگی کو عملی طور پر اپنانا بھی ضروری ہے۔ محبت کوئی ایسی چیز نہیں کہ صرف گا دینے اور لوگوں کو سنا دینا کافی ہو، نہ ہی کچھ الفاظ کا صرف زبان سے ادا کر دینا محبت ہے۔

بلکہ محبت نام ہے اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے کا اور زندگی میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے دستور حیات پر عمل پیرا ہونے کا جس پر اللہ کے رسولؐ آمادہ فرمائے اور اس کا شوق دلائے ہیں۔ اور کسی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا دوستی رکھنا ہی اس شخص کے ساتھ محبت و لگاؤ کی علامت ہے اور قلبی لگاؤ اور فکری یگانگت ہی وہ طاقتور ذریعہ ہوتا ہے جس کے ثمرات انسانی زندگی کے شب و روز میں بہت کھل کر ظاہر ہوتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد کہ "انسان کا حشر اسی شخص کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی اور اس کو وہی ملے گا جو اس نے کیا ہے" آپ کے اس ارشاد پاک کا مطلب یہ ہے کہ انسان جس قسم کے لوگوں سے تعلق و محبت رکھے گا، اسی قسم کے لوگوں کے ساتھ اس کا حشر بھی ہوگا جس نیت سے محبت کرے گا اسی نیت کے اعتبار سے اس کا نتیجہ بھی اس کے سامنے آئے گا۔ اجر و ثواب کا دار و مدار اس کی نیت ہی پر ہوگا۔ اس لیے ہر مسلمان سے سب سے پہلے یہی مطالبہ ہوتا ہے کہ کسی سے اس کی دوستی اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہو، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی محبت ایسی ہو کہ اس کی ایک ایک ادا میں نشست و برخاست بول چال ہر ہر چیز میں محبت رسول کا عکس نظر آتا ہو۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص مومن کامل اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھ کو اپنے باپ، اولاد حتیٰ کہ تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ رکھے۔"

قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بھی اسی کی طرف اشارہ اور حکم ملتا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

"إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ. قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ."

(اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے کہہ دو کہ خدا اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اگر نہ مانیں تو خدا بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔) آل عمران (۳۱-۳۲)

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان تمام لوگوں کے بارے میں قول فیصل ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی محبت کے دعویدار تو ہیں لیکن وہ اسوۂ رسول کو نہیں اپناتے جیسا کہ صحیح میں روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے طریقہ کے مطابق نہیں تو وہ مردود (نامقبول) ہے۔" حضرت حسن بصری اور علمائے سلف نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگ محبت خداوندی کے دعویدار ہوئے تو اللہ رب العالمین نے اس آیت پاک کے ذریعہ ان کی محبت کو پرکھا اور امتحان لیا فرمایا: "قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ" (آپ کہہ دیجئے اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تم کو دوست رکھے گا)۔ آل عمران ۳۱

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس حدیث پاک اور آیت کریمہ کے مفہوم کی وضاحت و تشریح کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دین نام ہی ہے اللہ کی خاطر محبت کرنے

(باقی ص ۱۳ پر)

اس شمارے میں

درس حدیث	شمس الحق ندوی	۲
قیادت کا خلا	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۵
وقت کا سب سے بڑا جہاد	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی	۷
اسلام میں دین دنیا کی حیثیت	مولانا سید سلیمان ندویؒ	۱۱
بنیادی اہمیت	مولانا عبداللہ عباس ندوی	۱۵
سمرقند و بخاریٰ کی بازیافت	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۱۷
نان و نفقہ	جناب سید غلام محی الدین صاحب	۲۰
حضرت عمر بن عبدالعزیز کا انصاف	پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی	۲۲
دل لرزتا ہے (نظم)	حضرت مولانا شاہ محمد احمدؒ	۲۳
سفر قادیان	مولانا محبوب الرحمٰن	۲۴
مغربی میڈیا اور اس کے اثرات	مولانا نذر الحفیظ ندوی	۲۶
سوال و جواب	مولانا محمد طارق ندوی	۲۸
قافلۂ قصبۂ زمانیہ	ایک مکتوب	۲۹
مختصر عالمی خبریں	معید اشرف ندوی	۳۱

اداریہ

قیادت کا خلا

(مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو لبیک کہنے والوں کے ذریعہ دین حق کی اشاعت کا جو کام ہوا اور اسلام کو قبول کرنے پر یکے بعد دیگرے دنیا کی کئی قوموں کو فروغ و عروج حاصل ہوا اور ان کو دنیا کی اخلاقی و تمدنی دونوں طرح کی قیادت کا موقع ملا ان کی اس قیادت سے دو اہم ترین میدانوں میں صالح انقلاب برپا ہوا۔ ایک میدان دین و اخلاق کا تھا اور دوسرا میدان علم و فکر کا تھا، دونوں میدانوں میں مسلمانوں کے لائے ہوئے انقلاب کے اثرات نہ صرف یہ کہ وسیع پیمانے پر بڑے بلکہ یہ اثرات اس وقت دنیا کے ہر گوشے میں نظر آرہے تھے اور دنیا کی مختلف قوموں نے مسلمانوں کی لائی ہوئی ان تمدنی و علمی خوبیوں سے خوشہ چینی کی اور یہ خوشہ چینی جاری ہے خواہ وہ اعتراف نہ کریں اور ان کو اس کا پورا احساس نہ ہو۔ مذہب و اخلاق میں مسلمانوں نے ایک جامع نظام حیات اور فکر و علم کا ایک سرمایہ پیش کیا جو نہ صرف یہ کہ انسانیت کے لئے بڑی افادیت رکھتا تھا بلکہ وہ انسانی زندگی کی مشکلات کا جامع حل تھا۔ جس کو بتدریج انسانی فکر کے غیر متعصب ماہرین نے تسلیم کیا ہے علمی و عملی زندگی کے میدان میں مسلمانوں کی دی ہوئی خوبیوں سے دوسری قوموں نے جو فائدہ اٹھایا اس سے ان کو ترقی کرنے اور نئے فاصلوں کو طے کرنے میں مدد ملی۔ اور وہ آگے آئیں اور بڑھیں اور بڑھتی چلی گئیں۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں نے خود اپنی اس دولت سے جس سے دنیا کی دوسری قوموں نے فائدہ اٹھانا شروع کیا تھا، بے توجہی اور ناقدری شروع کردی۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ طب و علوم صحت میں مسلمان محقق اطباء نے انقلابی انکشافات کئے۔ اور انتھک محنت سے ایسے تجربے کئے کہ ان میں بعض کے نتائج آج تک تازہ ہیں۔ اور دنیا کا طبی قافلہ باوجود اپنی شاندار ترقیات کے ان سے مستغنی نہ ہو سکا اور جو ان کے علاوہ نئے انکشافات کئے ان میں سے متعدد کی اساس مسلمانوں کی طبی تحقیقات پر ہے اور اسی پر کام کو آگے بڑھایا۔

دوسری طرف جغرافیہ اور علوم فلکی اور سمندروں میں جہازرانی میں مسلمانوں نے استادانہ مقام بنایا ان کی تحقیقات و تجربوں کی رہنمائی میں دیلنے ان سمتوں میں بھی ترقی کی۔ اس کی دلیل مسلمانوں کی اختیار کی ہوئی بعض متعدد اصطلاحیں ہیں اور متعدد حقائق آج بھی کچھ بدلی ہوئی صورت میں ہیں جغرافیہ کے اولین نقشے، جہازرانی کے متعد ماہرین کے نام اب تسلیم شدہ ہیں علوم عقلیہ اور فلسفہ کے میدان میں ابن سینا، فارابی، ابن رشد، ابن طفیل وغیرہ کے نام کتابوں میں ان کے نتائج فکر کے حوالوں سے ملتے ہیں اور ان سے آج کی ترقی یافتہ قومیں فائدہ اٹھاتی ہیں۔ سیاست و حکومت کے میدان میں دیکھئے تو دوسری صدی ہجری مطابق ساتویں صدی عیسوی سے دسویں صدی ہجری مطابق پندرہویں صدی عیسوی تک یعنی آٹھ سو سال تک یہ صاف نظر آئے گا کہ مسلمان حکومت وقوت عسکری کے میدان میں قائدانہ مقام پر فائز رہے لیکن جب ان کی راہ پر دوسری قوموں نے اپنے کو آگے بڑھانے اور ترقی کرنے کی ابتدا کردی تو مسلمانوں کے قوائے فکری و عملی میں سستی آنے لگی۔ اور سستی اور غفلت دراز ہوتی چلی گئی حتی کہ وہ یورپ کے بڑھتے ہوئے قافلوں سے نہ صرف پیچھے رہ گئے بلکہ اپنے مقام سے مسلسل گرتے چلے گئے۔ اور ان کو زوال کے آخری کنارے تک پہونچ جانے کا احساس اس وقت ہوا جب ترقی یافتہ یورپ نے ان کو اپنے ظلم و استحصال کا نشانہ بنایا اور ان کے حقوق کو نہ صرف یہ کہ پامال کیا بلکہ ان کے وجود کو ہی نشانہ بنایا۔ وسط ایشیا، شمالی افریقہ اور مشرق وسطیٰ کی گذشتہ دو صدیوں کی تاریخ کے مطالعہ سے

یورپ کے ظلم و ناانصافی کے مطالعہ سے یورپ کے ظلم و ناانصافی کی عجیب و غریب مثالیں سامنے آتی ہیں جو یورپ کی قوموں نے اپنے کو تمدن و مادی ترقیات سے آراستہ اور طاقتور بنا کر مسلمان قوموں کے ساتھ روا رکھی اور اس پر مستزاد یہ کہ اپنے ذرائع ابلاغ اور نصاب تعلیم کے ذریعہ ان مظلوم قوموں کو اپنے (ظالمانہ) کردار سے ناواقف رکھنے کی کوشش کی اور نہ صرف یہ کہ اس سے ناواقف بنایا بلکہ اس کے برعکس یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ یورپ کا ان مظلوم قوموں پر احسان ہے وہ ان کے لئے شفیق و ہمدرد اساتذہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور محسن ہیں۔ لہٰذا ان قوموں کو سمجھنا چاہیئے کہ ان کو اور دنیا کی تمام قوموں کو انسانیت اور فضل و کمال کی قدریں یورپ سے ملیں جہالت و تاریکی میں روشنی و بیداری کی تبدیلیاں ان کو یورپ نے فراہم کیں اور ساری دنیا کو رہبری و رہنمائی ہمیشہ ان ہی سے مل سکتی ہے۔ لیکن دنیا کی آنکھوں پر پردہ زیادہ دنوں تک نہیں ڈالا جاسکتا اور نہ تاریخ کے اصل سرچشموں سے دور رکھا جا سکتا ہے چنانچہ مسلمانوں میں جو کچھ بیداری شروع ہوئی اس نے انکے شاندار ماضی اور یورپ کے ظالمانہ کردار سے واقفیت کی راہ پیدا کر دی ہے، عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں تحریکیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور حوصلوں اور ہمتوں میں جان پیدا ہونا شروع ہوگئی ہے جس کو یورپ کے ذرائع ابلاغ بنیاد پرستی قدامت پسندی بلکہ دہشت گردی کے ناموں سے منسوب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اپنے پروپیگنڈے میں ایک حد تک کامیاب ہیں کم از کم متعدد مسلمان ملکوں کے ذمہ داروں کو انھوں نے اس خیال کا بنا لیا ہے لیکن یورپ کے ذرائع ابلاغ کا یہ عمل زیادہ دنوں تک کامیابی حاصل نہیں کر سکے گا کیونکہ یورپ کی سیاسی و ابلاغی کوشش کے دوہرے پیمانے دنیا سے مخفی نہیں رہ پا رہے ہیں اس کا عربوں کے ساتھ ایک پیمانہ اور اسرائیل کے ساتھ دوسرا پیمانہ ہے، صومالیہ و خلیج عرب کے ساتھ ایک پیمانہ اور بوسنیا اور ترکستانی علاقوں کے لئے دوسرا پیمانہ، یہ دوہرا عمل یورپ کی بگلہ بھگتی کا راز پوری طرح افشا کر رہا ہے مسلمانوں نے علم و طاقت میں جو تفوق حاصل کیا تھا اس کا سلسلہ آٹھ صدیوں تک قائم رہا۔ یورپ نے علم و طاقت میں جو کمال حاصل کیا ہے اس کو ابھی تین سو سال بھی نہیں ہوئے ہیں اور اس میں کمزوری شروع ہو گئی ہے اور اس کمزوری کے بڑھنے کی رفتار تیز ہے اسکو دیکھتے ہوئے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاید صدی نصف صدی کے اندر یورپ کسی بھی نئی ابھرتی ہوئی طاقت کے نیچے چلا جائیگا اور پھر بتدریج اپنی سابقہ ظلمت گیری اور گداگری میں واپس ہوجائیگا کیونکہ اس کی بہت سی چھوٹی بڑی اکائیاں ہیں اور ان میں آپسی کشمکش اور اختلاف بڑھنے پر یورپ کی قوموں کی آپسی لڑائی میں مشغول کر دے گا۔ اور پھر انکی اقتصادی تنگی و دو غلط راہوں پر پڑ جانے سے مزید تباہی آئے گی اور ان کی طاقت کا غبارہ پھوٹ جائے گا۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ قیادت کی جگہ خالی ہونے پر اس جگہ کو کون پر کرے گا، یہ ایک سوال ہے جس کا جواب فی الفور آسان نہیں ہے۔ جب مسلمانوں کو دیکھتے ہیں تو یہ نظر آتا ہے کہ ان میں ایک حوصلہ اور شعور تو بیدار ہونا شروع ہوگیا ہے ان کے پاس ان کے شاندار ماضی کی مثال بھی موجود ہے اور علم و تمدن و کردار کی وہ عظیم قدریں بھی ان کے سامنے ہیں جو ہر زمانہ کے لئے تازہ و قابل استفادہ ہیں لیکن اس ماضی کی پیروی اور ان عظیم قدروں کو اپنانے کی ہمت اور جذبہ ابھی تک نہیں بیدار ہو سکا ہے۔ جذبہ کی کمی میں اس بات کو بہت دخل ہے کہ ان کو اپنے شاندار ماضی کا صحیح مطالعہ کرنے اور اپنے گذرے ہوئے زمانہ کے تلخ تجربات کو جاننے سے دلچسپی نہیں پیدا ہوسکی ہے۔ اگر وہ پہلی صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری کے حوصلے اور کارگذاری کا صحیح مطالعہ کرتے اور پھر گذشتہ صرف دو صدیوں کے مصائب کے اسباب کا مطالعہ کر لیتے تو ان کے ذہن کہیں سے کہیں پہونچ جاتے اور ان میں اپنے کو صحیح لائنوں پر منظم کرنے اور صحیح اور کارگر حکمت عملی اختیار کرنے کی فکر ہوتی اور سنگین ترین نتائج سے اپنے کو بچانے کی خاطر اپنے اجتماعی و ملی مفاد کو اپنے شخصی و ذاتی مفاد پر ترجیح دینے کا حوصلہ بیدار ہوتا۔ اپنی ذاتی و شخصی شکست کو ملی و اجتماعی شکست کے مقابلہ میں برداشت کرنے کی ہمت پیدا ہوتی۔

منصرم دارالعلوم ندوۃ العلماء کو
صدمہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے منصرم جناب افتخار حسین صاحب قدوائی کی اہلیہ صاحبہ ۷ار نومبر ۹۳ء؁ مختصر علالت کے بعد انتقال فرماگئیں، افتخار صاحب سے نصف صدی کے اندر دارالعلوم سے فارغ ہونے والا ہر ندوی خوب واقف ہے، الحمدللہ افتخار صاحب اب بھی دارالعلوم کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

اس لیے قارئین کرام اور بالخصوص ندوی حضرات سے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔

وقت کا سب سے بڑا جہاد

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ذیل کا مضمون حضرت مولانا مدظلہ کا وہ بصیرت افروز خطبۂ صدارت ہے جو کل ہند دینی تعلیمی کنونشن منعقدہ لکھنؤ مورخہ یکم ۲؍نومبر ۹۳ء؁ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی شبلی لائبریری کے وسیع ہال میں پڑھا گیا

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرات!

ہمارا آپ کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی اور تعلیم کے لئے اور اپنی ذات کی معرفت عطا کرنے اور اس کا صحیح تعارف کرانے کے لئے (جو عقل و قیاس سے ماوراء ہے اور جس کی کوئی مثال اور نظیر اس دنیا میں موجود نہیں ہے) انبیاء علیہم السلام کے گروہ کو منتخب فرمایا۔ اپنے کلام اور پیغام کے ذریعہ پہلے ان کو پھر ان کے ذریعہ اپنی مخلوق کو اپنی ذات و صفات کا صحیح اور مستند علم عطا فرمایا اور اپنے منشاء اور احکام، اور زندگی گزارنے کے پسندیدہ طریقہ سے آشنا کیا، اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (سورۃ آل عمران)

اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم کو غیب پر مطلع کردے غیب کی باتیں بتانے کے لئے تو وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کی بندگی کے صحیح قاعدے اور زندگی گزارنے کے پسندیدہ طریقہ کو معلوم کرنے کا ان پیغمبروں کی اطلاعات اور تعلیمات کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں، یہ عقل و ذہانت، قیاس آرائی، طبع آزمائی، خواہشات اور قومی رسم و رواج کا میدان نہیں۔ اس کے لئے اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں کہ اس دنیا کو پیدا کرنے والا خود اس کی خبر دے اور وہ اس کی خبر پیغمبروں ہی کے ذریعہ دیتا ہے، اس لئے اس علم و ہدایت کا ذریعہ صرف انبیاء علیہم السّلام ہی ہیں، قیامت تک کے انسانوں کی ہدایت، طریقۂ زندگی کی صحت، اعمال کی قبولیت اور کامیاب انفرادی و اجتماعی زندگی گزارنے کی صلاحیت اسی گروہ انبیاء علیہم السّلام کی تعلیمات کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہے۔ انھیں کی تعلیم کئے ہوئے عقائد، انھیں کے دیئے ہوئے حقائق، انھیں کا طریقۂ زندگی، انھیں کی تعلیم کی ہوئی معاشرت اور اخلاق و اصول، افراد کی نجات و مقبولیت اور معاشروں (SOCIETIES) اور ملکوں و معاشروں کی سلامتی اور امن و امان کے ضامن ہیں۔

اس زمانہ کا چیلنج یہ ہے کہ اسلام کو اس کی جداگانہ تہذیب، اس کی مخصوص معاشرت، اس کے عائلی قانون، اس کے وسائل معرفت، اس ملک میں اس کے ماننے والوں کی نسلی زبان و ادب اور رسم الخط اور اس کے پورے دینی و تہذیبی ورثہ سے الگ کر دیا جائے، اور اسلام چند عبادات اور چند رسوم و تقریبات کا (جو بعض مذاہب کا کُل سرمایہ اور بعض قوموں کا واحد مذہبی نشان ہے) اسلام انھیں مذہبی و معاشرتی رسوم کا مجموعہ بن کر رہ جائے۔ مسلمانوں سے کبھی اشارہ اور کنایہ سے اور کبھی صاف صاف کہا جاتا ہے کہ مسلمان اپنی رضا و رغبت سے اپنی جداگانہ تہذیب اور ہر اس چیز سے بے تعلقی اختیار کر لیں جو ان میں الگ ملت اور ایک مستقل تہذیب کا وارث ہونے کا احساس پیدا کرتی ہے، وہ خود ہی اعلان کر دیں کہ ہم کسی جداگانہ تہذیب کے حامل نہیں، وہ خود اپنے عائلی قانون (PERSONAL LAW) میں اصلاح و ترمیم کا مطالبہ کریں، یا پیش کیا جائے تو اس کو قبول کر لیں، وہ اپنے تمام تعلیمی مرکزوں کو، جو انھوں نے اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق قائم کئے تھے حکومت کی تحویل و انتظام میں دے دیں، اور ان کے نظم و نسق سے خود دست بردار ہو جائیں تاکہ ان سے ایک ہی طرح کے نمونے (MODELS) تیار کئے جائیں، اصل خطرہ نسل کشی کا نہیں معنوی ارتداد اور ذہنی و تہذیبی نسل کشی کا ہے، اس خطرہ کو دیکھنے اور اس کو محسوس کرنے کے لیے کسی بڑی فراست اور دور بینی کی ضرورت نہیں، یہ تو دیوار کا نوشتہ ہے جس کو ہر ایک پڑھ سکتا ہے، اور اب تو بعض برسر اقتدار پارٹیوں اور علاقائی حکومتوں نے نصاب تعلیم کی تبدیلی، ہندی زبان کو لازمی قرار دینے اور اسکی جبریہ تعلیم اور ایک نئی تاریخ ترتیب دینے کے اعلان کے ذریعہ اس کا ایک فیصلہ اور پالیسی کے طور پر

اعلان بھی کر دیا ہے۔

یہ سلطانی جمہور کا زمانہ ہے، ہمارے اوپر پارلیمنٹ اور ریاستوں میں اسمبلیوں کی حکومت ہے اور ان کو آئین سازی کا پورا اختیار ہے۔ پھر حکومت کا دائرہ پہلے کی طرح دفاع، امن قائم کرنے اور ٹیکس وصول کرنے تک محدود نہیں، وہ زندگی کے تمام شعبوں اور تعلیم و تربیت کے تمام ذرائع پر حاوی ہے، آپ کو معلوم ہے کہ پرانی حکومتیں پرائیویٹ معاملات میں دخل نہیں دیتی تھیں، ذاتی ملکیتوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا، آزاد درسگاہوں سے ان کا کوئی سروکار نہیں تھا، پرسنل لا سے ان کا کوئی علاقہ نہیں تھا، تعلیم میں کسی خاص عقیدہ، کسی خاص فکر و مقصد پر ان کو اصرار نہ تھا، لیکن اب یہ صورتحال نہیں۔

ایک ایسے ملک کی جمہوری حکومت کیلئے جس کے باشندے اور اس کی آبادی کے مختلف عناصر نسلوں اور صدیوں سے مختلف مذاہب کے ماننے والے اور مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں (CULTURES) اور طرز معاشرت کے نہ صرف عادی بلکہ ان پر عقیدہ رکھتے ہوں اور وہ ان کو جان و مال سے عزیز رکھتے ہوں نیز وہ حکومت دانشمندانہ اور تجربہ کارانہ نقطۂ نظر سے لا مذہبیت (SECULARISM) اور عدم تشدد (NON-VIOLENCE) کے اصول کو تسلیم کر چکی ہو اور اسی کو ملک کے لئے اتحاد و باہمی اعتماد، امن و سکون اور ترقی و خوشحالی کے امکانات کے لئے ضروری سمجھتی ہو اور انھیں تینوں اصولوں (جمہوریت، لا مذہبیت اور عدم تشدد) کو ملک کی آزادی کے لئے جد و جہد کرنے والوں اور اس میں کامیاب ہونے والے دانشمند رہنماؤں نے اپنے وسیع مطالعہ، عمیق فکر و نظر اور حقیقت پسندی اور حب الوطنی کی بنیاد پر اس ملک کے لئے ضروری سمجھا ہو، اور اسکو بنیادی اصول کا درجہ دیا ہو، جس کی صداقت اقوام و ملل کی وسیع تاریخ اور عملی تجربے سے ثابت ہو چکی ہو اور اس کا کوئی متبادل طریقۂ کار نہ ہو یہ ضروری ہے کہ ملک کے آئین، عدالتوں کے فیصلے اور نظم و نسق (ADMINISTRATION) کی مساوات اور غیر جانبدارانہ طرز عمل کے ساتھ اس ملک کی تعلیم گاہوں پرائمری اور سکنڈری (PRIMARY AND SECONDARY) ایجوکیشن سے لیکر کالجوں اور یونیورسٹیوں تک مروجہ نصاب تعلیم کسی ایک فرقہ کے (خواہ وہ کھلی اکثریت میں ہوں) عقائد، روایات، تہذیب و تمدن اور رسم و رواج کا ترجمان و وکیل اور انھیں کا آئینہ دار نہ ہو اور نہ وہ ملک کی تاریخ کو اس طرح پیش کرے کہ کسی فرقہ اور مذہب کے ماننے والوں سے پڑھنے والوں میں نفرت اور کم سے کم ان کی حقارت دل و دماغ میں پیوست ہو اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اکثریت کے مابعد الطبیعاتی (METAPHYSICAL) خیالات و روایات بلکہ عقائد دیو مالا (MYTHOLOGY) کی تلقین اور تبلیغ ہوتی ہو، اس طرز عمل سے ملک کی آبادی کے مختلف عناصر میں جن کو اپنا مذہب عزیز ہے یا تو شدید منافرت پیدا ہوگی یا بعض فرقوں میں احساس کمتری (INFERIORITY COMPLEX) پیدا ہوگا، جو ملک کی ترقی و خوشحالی اور جوش و خروش سے کام کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے میں مزاحم ہوگا، اور اس کا بھی اندیشہ (اور اندیشہ ہی نہیں اس کا تجربہ بھی ہو چکا) ہے کہ اقلیتی فرقہ اور ملک کے ایک بڑے باصلاحیت اور مفید طبقہ میں اس کا شدید ردعمل (REACTION) پیدا ہو، اور وہ ملک کی ترقی اور اس کی شہرت و ناموری میں مزاحم ہو، اور بات یہاں تک پہنچے کہ جن کو اپنا مذہب، اپنی تہذیب بلکہ اپنی تاریخ بھی عزیز ہے وہ اس نظام تعلیم، اس کے مرکزوں کے مقاطعہ پر مجبور ہوں، اور اپنی نئی نسل کی تعلیم کا متبادل انتظام کریں، اور اس میں ان کی توانائیاں اور وسائل معیشت اور اس سے بڑھکر ان کی توجہ اور قوت عمل کا بڑا حصہ اس پر صرف ہو۔

اس کے ساتھ اس کا بھی خطرہ ہے کہ جمہوری ملک ہونے کی وجہ سے آبادی کا کوئی ایسا عنصر اقتدار میں آجائے جس کے مذہبی عقائد اور تہذیب و معاشرت سابق صاحب اقتدار جماعت سے اختلاف رکھتے ہوں تو وہ اس پورے نصاب کو تبدیل کرنے کا ارادہ کرلے اور اس میں ملک و قوم کی توجہ اور توانائی کا بہت بڑا حصہ (جو دوسرے میدانوں میں صرف ہونا چاہئے تھا) اس پر صرف ہو، اور اس طرح ملک کا نصاب تعلیم عہد بہ عہد تبدیلیوں اور تجربوں کا نشانہ اور اختلاف کا ایک بڑا میدان بن جائے، بلکہ اس کا اندیشہ ہے کہ وہ "بازیچۂ اطفال" اور تنگ نظری اور جارحانہ ذہنیت کا آلۂ کار نہ ہو جائے۔

افسوس ہے کہ ملک کے آزاد ہونے کے بعد ہی اس ملک کے اقلیتی فرقوں، بالخصوص مسلمانوں کو (جو اس ملک ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے مذہبی، ثقافتی، تہذیبی، تاریخی اور سیاسی نقشہ میں کم سے کم دوسری سب سے بڑی حیثیت کے مالک ہیں) اس افسوسناک صورتحال کا ۱۹۴۷ء کے بعد ہی تجربہ ہوا، اس وقت اس خطرے سے بچنے کے لیے ایک ممتاز دانشمند دردمند قائد و مفکر قاضی محمد عدیل عباسی صاحب مرحوم کی دعوت و تحریک پر ۱۹۵۹ء میں دینی تعلیمی کونسل کا قیام عمل میں آیا اور اس کی پہلی صوبائی دینی کانفرنس ۳۰، ۳۱ دسمبر ۱۹۵۹ء یکم جنوری ۱۹۶۰ء میں بستی میں منعقد ہوئی، کچھ عرصہ کے بعد اس تنظیم کے ایک بڑے مخلص اور لائق کارکن ظفر احمد صاحب صدیقی وکیل مرحوم نے اس وقت کے مروجہ نصاب کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا اور اس کے ان حصوں کو پیش کیا جو مسلمانوں کے عقائد و مسلمات اور ان کے دین و مذہب سے نہ صرف کھلا تضاد رکھتے تھے، اور جن کے قبول کر لینے کے بعد (ایسی حالت میں کہ کتاب ایک بڑی

سند کا درجہ رکھتی ہے، اور جب کسی چیز کو حق بجانب ثابت کرنا ہوتا ہے تو اتنا کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ "یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے") طالب علم مسلمان نہیں رہ سکتا تھا یا کم سے کم وہ سخت ذہنی کشمکش اور اپنے فرقہ اور خاندان سے کٹ جانے پر مجبور ہوتا تھا، یہ وہ اقتباسات تھے جن کو پڑھ کر ہر انصاف پسند آدمی یہی فیصلہ کرے گا، اور جو ریاضی کے نتائج کی طرح ظن و قیاس اور اختلاف رائے سے دور اور بیگانہ ہے اور جس کو سن کر اس بارہ میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ ان چیزوں کے مان لینے کے بعد طالب علم کا مسلمان رہنا بھی مشکوک ہو جاتا ہے اور اگر وہ نہیں مانتا اور اختلاف کرتا ہے تو اس نصاب تعلیم پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے، اور وہ اپنے مقاصد میں ناکام ثابت ہوتا ہے جو کسی تعلیمی نصاب اور منصوبہ کے لئے کوئی خوش آئند اور قابل مبارکباد نہیں بلکہ اس کی ناکامی کی دلیل ہے۔

پورے نصاب تعلیم کی تبدیلی اور ایک نئی تاریخ کی وضع و تدوین تو بڑے وسیع اور انقلاب انگیز منصوبے ہیں۔ رسم الخط (SCRIPT) کی تبدیلی ہی قدیم تہذیبی، علمی اور مذہبی سرمایہ سے رشتہ ختم کر دینے اور ان سے بیگانہ بنا دینے کے لئے کافی ہے، آرنلڈ ٹوائن بی (ARNOLD TOYNBEE) جو اس زمانہ کا فلسفی مؤرخ ہے، نے لکھا ہے (PHILOSOPHER HISTORIAN) کہ اب کسی کتب خانہ کو آگ لگانے کی ضرورت نہیں رسم الخط (SCRIPT) بدل دینا کافی ہے اس سے اس قوم کا رشتہ اپنے ماضی سے بالکل ٹوٹ جائیگا، اور اس کی پوری تہذیب اس کے لئے بے معنی ہو کر رہ جائے گی، پھر جس طرف چاہو اس کو لے جاؤ، جو چیز کسی ملت کو اس کے ماضی سے، اس کے مذہب سے، اس کی تہذیب سے، اس کے کلچر سے ملاتی ہے وہ رسم الخط ہے، رسم الخط بدلا نسل بدل گئی، آج ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات محض ملک کو بدنام کرتے ہیں، فائدہ ان کا کچھ نہیں ہے، تعلیم کا نظام کافی ہے آج سے ۶۰-۷۰ برس پہلے اکبر مرحوم نے کہا تھا ؎

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

اور اس سے زیادہ لطیف انداز میں انھوں نے اس حقیقت کو اپنے مشہور شعر میں بیان کیا ہے ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ان کے ذہن میں کالج کا وہ تصور رہا ہوگا جس میں صرف قبطی زبان پڑھائی جاتی ہو اور ایسی تاریخ جس میں فراعنہ کی الوہیت ان کے غیر محدود و غیر مشروط اختیارات کا اور مصر کی دوسری نسلوں اور قوموں (بنی اسرائیل اور بیرون مصر سے آئی ہوئی قوموں) کی تحقیر آمیز تصویر اور نفرت انگیز تاریخ پیش کی گئی ہو۔

حضرات! آج ہندوستان کے مسلمانوں کے مستقبل کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی آئندہ نسل کو کیسے بچایا جائے، کیسے مسلمان رکھا جائے؟ اس ملک کے باشندے کی حیثیت سے ہمیں یہاں آزادی و عزت کے ساتھ رہنے کا پورا حق حاصل ہے، یہ اس ملک کی جمہوریت اور دستور و آئین کا بھی فیصلہ ہے، لیکن یہ مطلب اس کا ہرگز نہیں ہے کہ اپنی خصوصیات، اپنے عقائد و شعائر، اپنی زبان، تہذیب، اور اپنی ان چیزوں کو چھوڑ کر جو ہم کو جان سے زیادہ عزیز ہیں اس ملک میں رہیں، کہ اس طرح رہنے سے یہ وطن وطن نہیں رہ جاتا بلکہ ایک جیل خانہ اور قفس بن جاتا ہے، جس میں گویا پوری قوم کو زندگی کی عزتوں اور لذتوں سے محروم رکھ کر سزا دی جاتی ہے۔ ہمارا خمیر ضرور اس ملک کی خاک سے تیار ہوا ہے اور یہ خاک ہم کو بہت عزیز ہے، لیکن ہمارا ضمیر اسلامی تعلیمات، اسوۂ رسول، کتاب و سنت اور اسلام کی اس معیاری، قابل فخر اور بے نظیر تاریخ کا ساختہ پرداختہ ہے جو پوری انسانیت کا قابل فخر سرمایہ اور لائق تقلید نمونہ ہے، ہماری تہذیب ابراہیمی محمدی ہے جس کی بنیاد توحید خالص، خوف خدا، عقیدۂ آخرت، انسانیت کے احترام اور خاندان و نام و نسب، نسل و وطن کے اختلاف سے آزاد ہو کر نسل انسانی کی مساوات پر ہے مسلمان جس ملک میں بھی رہے گا، اس کی وطنیت خواہ کچھ ہو، اس کی تہذیب ابراہیمی محمدی ہوگی ہم یہاں زندہ اور باعزت انسانوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں، ہم اس ملک میں آزاد ہیں، اس کی تعمیر و ترقی میں شریک اور اس کی دستور سازی میں دخیل ہیں اس لیے اس کا کوئی سوال نہیں کہ ہم دوسرے درجہ کے شہریوں کی طرح زندگی بسر کریں، اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ زندگی گزارنا ہر شخص کا فطری، انسانی، اخلاقی اور قانونی حق ہے، اور اس حق کو جب بھی چھیننے کی کوشش کی گئی اس سے ہمیشہ سنگین نتائج نکلے۔

جہاں تک مسلمان کا تعلق ہے اس کے لئے دینی تعلیم اور دین کی واقفیت کی وہی حیثیت ہے جو ایک انسان کیلئے ہوا پانی کی ہے، ایک مسلمان کو مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنے کیلئے، مسلمان کہلانے کے لئے اور پھر آخرت میں خدا اور اس کے رسول کو منہ دکھلانے اور نجات حاصل کرنے کیلئے بنیادی دینی عقائد کے جاننے کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسے کہ ایک انسان کو زندہ رہنے کیلئے ہوا پانی کی۔ اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں، یہی وہ نسبت ہے جس کا حضرت یعقوب علیہ السلام دنیا سے کوچ کرتے وقت (حالت احتضار میں) اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے، انھوں نے اپنے سب فرزندوں، پوتوں، نواسوں کو جمع کر کے (اور وہ ماشاء اللہ کثیر اولاد تھے) دریافت فرمایا؛

۱؎ افسوس ہے کہ یہ صورت حال برابر قائم ہے اور اب اس وقت کے مروجہ نصاب تعلیم پر دوبارہ نظر ڈالنے کا کام ہماری کونسل کے لائق کارکن حبیب اللہ اعظمی صاحب نے انجام دیا جو اس اجلاس میں محترم حاضرین مجلس اور سامعین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

کہ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ[1] (میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟) یہ بات انھوں نے کس سے کہی تھی؟ ان سے کہی تھی جو نبی زادے تھے، نبی کے پوتے تھے، نبی کے پڑپوتے تھے۔ گویا انھوں نے زبان حال سے کہا کہ میری پیٹھ قبر کی زمین سے نہ لگے گی جب تک دنیا سے یہ اطمینان لے کر نہ جاؤں کہ تم خدائے واحد کی پرستش کرتے رہوگے!!

آج اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ اس نسل کو کیسے بچایا جائے۔ سرکاری تعلیم کی اصلاح کی کوشش کے ساتھ دینی تعلیم کا کوئی متوازی نظام بھی چلانا چاہیے، اسی بنیاد پر دینی تعلیمی کونسل قائم ہوئی اور اس کی دعوت جدّوجہد سے ہزاروں مکاتب و مدارس قائم ہوئے ملک کی موجودہ سیاسی تبدیلیوں، اور انتخابی نتائج اور مذہبی عصبیت پیدا کرنے کی بعض مواقع کے بہم ہوجانے یا پیدا کرلینے کی وجہ سے اس دینی، ذہنی اور تہذیبی نسل کشی کا خطرہ کئی گنا بڑھ گیا ہے۔ اس وقت کا اہم ترین کام نظام تعلیم کی اصلاح کے مطالبہ اور اس کیلئے جدّوجہد کے ساتھ آزاد دینی مکاتب و مدارس کے قیام اور مساجد اور گھروں میں ضروری دینی تعلیم اور مبادیِ دین کی تلقین، اردو پڑھنے لکھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے مراکز اور مواقع پیدا کرنے کی جدّوجہد ہے اور اس کام کو مقبول ترین عبادت، رضائے الٰہی کا ذریعہ اور اس ملک میں حفاظتِ دین کا واحد طریقہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔

آزاد مکاتب و مدارس، صباحی و شبینہ [illegible] تعلیم اور گھر کی دینی تعلیمی تربیت، اسلامی اصول اور اخلاق کی پابندی، راست گوئی و راست روی، اور سیرت و تعلیماتِ نبوی سے واقفیت کے عمومی و مؤثر انتظامات سے صرف ملت ہی کو فائدہ نہیں پہونچے گا بلکہ یہ پورے ملک اور جمہوریۂ ہند کے مفاد میں بھی ہے، جو تیزی سے اخلاقی زوال، خود پرستی دولت پرستی اور عمومی بدنظمی اور کرپشن کی طرف جا رہا ہے۔ اس اسلامی تعلیم و تربیت کے اثر سے خاصی تعداد میں وہ طبقہ پیدا ہوگا جو اس حد تک دولت کا پجاری نہیں ہوگا جس حد تک یہ وبا ملک میں پھیل گئی ہے۔ اس کو کسی درجہ میں خدا کا خوف اور خدا کے سامنے جوابدہ ہونے کا عقیدہ اس انتہا تک پہنچنے سے باز رکھے گا، جس انتہا تک خالص مادی تعلیم نے پہنچا دیا ہے۔

نبیِ رحمت کی اُمّت کو اپنے ملک، ماحول اور سماج کے لیے اُمّت رحمت اور اس کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے کے لئے ایک فرض شناس، رحم دل، اور ماہر ملّاح (کشتی بان) کا کردار (PART) ادا کرنا ہے، جس کی موجوگی میں اس ملک کو تباہ ہونا اور اس کشتی کو ڈوبنا نہیں چاہیے، اسلئے یہ کام تنہا مسلم فرقہ کے مفاد میں نہیں، ملک کے مفاد میں ہے، اور اسکو انجام پانا چاہیئے۔

حضرات! آپ اس تعلیمی مسئلہ کو اپنے ایمان و یقین، اپنے عزم و فیصلہ، جوشِ عمل و ولولۂ کار سے حل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر آپ نے یہ شرطیں پوری کردیں تو یہ مشکل آسان اور یہ عقدہ حل شدہ ہے۔ اقبال نے سچ کہا ہے ؎

نشاں یہی ہے زمانہ میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمالِ صدق مروت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
خودی سے مردِ خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہلِ جنوں کی تدبیریں

[1] سورۃ البقرۃ ــ ۱۳۳

بقیہ مغربی میڈیا

رسوائیوں سے پوری تاریخ اس قوم کی بھری ہوئی ہے، یہ جماعت اول و آخر تاجر اور آبرو باختہ ہے، اعلیٰ فنی مہارت، ذوقِ جمال اور رعنائی خیال سے یکسر محروم ہے، جو لوگ اس وقت ڈراموں پر اجارہ داری قائم کیے ہوئے ہیں وہ ڈراموں میں دوسرے درجہ کی ملازمت کے بھی قابل نہیں، ان کی پوری تاریخ رسوائیوں کا مجموعہ اور بیشتر حالات میں ان کی پوری زندگی مجرمانہ ہے، اسی بنا پر ڈراموں میں ان کا کردار بھی مجرمانہ ہے جو ان کے قومی کردار کا عکس ہے۔"

اس تنقید پر۔ جو ایک مسیحی کے قلم سے تھی۔ پوری یہودی صحافت میں بھونچال آگیا، یہودی سرمایہ داروں نے اس تنقید کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ تمام ڈراموں پر اجارہ داری قائم کرلی، دوسری طرف یہودی میڈیا نے مسیحی ناقد کے خلاف طوفان کھڑا کردیا، اخبارات و رسائل تقسیم کرنے والی یہودی کمپنی نے اس رسالہ کو اپنے یہاں رکھنے اور فروخت کرنے سے انکار کردیا، ڈرامہ پیش کرنے والے اداروں نے اپنے یہاں اس نقاد کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ تیسری طرف اس اخبار کے خلاف یہودیوں نے عدالت میں مقدمہ دائر کردیا کہ اس تنقید سے ان کے ڈراموں پر اثر پڑا ہے اس لیے دس لاکھ ڈالر جرمانہ ادا کیا جائے اور آخری فیصلہ یہ کیا گیا کہ ڈراموں اور فلموں اور ادبی کتابوں پر فنی تنقید کرنے والے جتنے غیر یہودی ناقدین تھے ان کو منہ مانگے داموں پر خرید لیا یا پھر ان کی تمام تحریروں کو یہودی صحافت میں ممنوع قرار دے دیا۔

(باقی آئندہ)

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

مولانا سید سلیمان ندویؒ

اسلام میں دین دنیا کی حیثیت
دو حریف کی نہیں بلکہ دو دوست کی ہے

"اکثر مذاہب نے دینداری اور خداپرستی کا کمال یہ سمجھا تھا کہ انسان کسی غار، کھوہ یا جنگل میں بیٹھ جائے اور تمام دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرے اسلام نے اس کو عبادت کا صحیح طریقہ نہیں قرار دیا، عبادت درحقیقت خدا اور اس کے بندوں کے حقوق کے ادا کرنے کا نام ہے اس بنا پر وہ شخص جو اپنے تمام ہم جنسوں سے الگ ہوکر ایک گوشہ میں بیٹھ جاتا ہے وہ درحقیقت ابنائے جنس کے حقوق سے قاصر رہتا ہے۔ اس لئے وہ کسی تعریف کا مستحق نہیں۔ اسلام کا صحیح تخیل یہ ہے کہ انسان تعلقات کے ازدحام اور علائق کے ہجوم میں گرفتار ہوکر ان میں سے ہر ایک کے متعلق جو اس کا فرض ہے اسکو بخوبی ادا کرے جو شخص ان تعلقات و علائق اور حقوق و فرائض کے ہجوم سے گھبراکر کسی گوشہ و عافیت کو تلاش کرتا ہے وہ دنیا کے کارزار کا نامرد اور بزدل سپاہی ہے۔ اسلام اپنے پیرووں کو جوانمرد سپاہی دیکھنا چاہتا ہے جو ان سب جھمیلوں کو اٹھاکر بھی خدا کو نہ بھولیں، غرض اسلام کے نزدیک عبادت کا مفہوم ترک فرض نہیں، بلکہ ادائے فرض ہے، ترک عمل نہیں، بلکہ عمل، کچھ نہ کرنا نہیں بلکہ کرنا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ان صحابہ کو جو اہل و عیال اور دوست واحباب سب کو چھوڑ کر دن بھر روزہ رکھتے تھے اور راتوں کو عبادت کرتے تھے فرمایا "اے فلاں! تم ایسا نہ کرو کہ تم پر تمہاری بیوی بچوں کا بھی حق ہے۔ تمہارے مہمان کا بھی حق ہے تمہاری جان کا بھی حق ہے۔ تمہاری آنکھ کا بھی حق ہے" اس سے ظاہر ہوا کہ اسلام کی نظر میں عبادت ان حقوق کو بجالانا ہے ان حقوق کو ترک کردینا نہیں چنانچہ ایک دفعہ کسی غزوہ میں ایک صحابی کا گذر ایک ایسے مقام پر ہوا جس میں موقع سے ایک غار تھا قریب ہی پانی کا چشمہ بھی تھا آس پاس کچھ جنگل کی بوٹیاں بھی تھیں، ان کو اپنی عزلت نشینی کے لیے یہ جگہ بہت پسند آئی خدمت بابرکت میں آکر عرض کی یارسول اللہ مجھ کو ایک غار ہاتھ آگیا ہے جہاں ضرورت کی سب چیزیں ہیں، جی چاہتا ہے کہ وہاں گوشہ گیر ہوکر ترک دنیا کرلوں آپ نے فرمایا "میں یہودیت اور عیسائیت لے کر دنیا میں نہیں آیا ہوں میں آسان اور سہل اور روشن ابراہیمی مذہب لے کر آیا ہوں!"

اسلام سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں کئی کئی دن جاکر رہا کرتے تھے اور عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے لیکن جب وحی کا پہلا پیام آپ کے پاس آیا اور دعوت و تبلیغ کا بار آپکے مبارک کندھوں پر رکھا گیا، شب و روز میں رات کی چند ساعتیں اور سال میں رمضان کے چند آخری دن گوشۂ عزلت اور زاویۂ تنہائی میں بسر ہوتے تھے ورنہ تمام دن پوری جماعت کے ساتھ خالق کی عبادت اور پھر مخلوق کی خدمت میں صرف ہوتے تھے اور یہی تمام خلفاء اور عام صحابہ کا طرز عمل رہا، اور یہی اسلام کی عملی اور سیدھی سادھی عبادت تھی۔

(سیرت النبی [illegible] ملخصاً۔ تفصیل کے لیے سیرت [illegible] دیکھئے)

ایک دوسری جگہ "اخلاق و رہبانیت" کے عنوان سے اس حقیقت کو اس طرح کھولا ہے۔

"اخلاق درحقیقت انسانوں کے باہمی تعلقات میں خوش نیتی اور اچھائی برتنے کا نام ہے یا یوں کہیے کہ ایک دوسرے پر جو انسانی فرائض عائد ہیں ان کو ادا کرنے کو کہتے ہیں، اخلاق کی اسی حقیقت سے یہ واضح ہے کہ اخلاق کے وجود کے لیے باہم انسانوں میں تعلقات اور وابستگی کا وجود ضروری ہے جو رہبانیت، تجرد اور جوگی پن میں نہیں پائی جاتی ہے، اسی لیے گوشہ نشینی، عزلت گزینی، خلق سے کنارہ گیری، جماعت سے علیحدگی، اہل و عیال، عزیز و اقارب اور دوست و احباب کے تعلقات سے آزادی اخلاق کے استعمال کے موقع ہی کو کھو دیتی ہے یا کم کر دیتی ہے۔"

اس مسئلہ پر بحث کی ضرورت اس لیے ہے کہ خلق سے قطع تعلق اور گوشہ نشینی نے مذہب میں اکثر نیکی اور دینداری کی بہترین شکل کی حیثیت حاصل کرلی ہے اسلام سے پہلے راہب اور جوگی اسی اصول پر اپنی زندگی بسر کرتے تھے اور وہ خود اور ان کے عقیدت مند بھی اسکو ان کی انتہائی نیکوکاری اور دینداری قرار دیتے تھے لیکن حقیقۃً ان مذہبی افراد اور جماعتوں نے زیادہ تر اس پردہ اور حجاب کو اس لئے اختیار کیا کہ اس سے ایک طرف اپنے کو عام نظروں سے چھپاکر بادشاہوں کی طرح اپنے رعب و اثر کو نمایاں کرنے اور اپنے کو بالاتر ہستی تصور کرانے میں مدد ملے اور دوسری طرف اپنی زندگی

کو زیر پردہ رکھکر جھوٹا تقدس اور جھوٹی دینداری کا ڈھونگ کھڑا کرسکیں، اور تیسری طرف اپنی اس عزلت نشینی کے جھوٹے عذر کی بناپر کسی ملامت کا نشانہ بنے بغیر اہل وعیال اعزہ واقارب، دوست واحباب اور قوم وملت کے وظائف وحقوق بجالانے کی تکلیف سے بچ جائیں اسی لئے اسلام نے اپنے اصول اخلاق میں راہبانہ، جوگیانہ اور تجردانہ زندگی کی ہمت افزائی نہیں کی ہے، نبوت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری ۲۳ برس کی زندگی اسی مجمع انسانی میں رہ کر تمام تر انسانی جدّوجہد میں شریک ہوکر گذاری ہے، یہی طرز عمل خلفائے راشدین اور چند کے سوا تمام اکابر صحابہؓ کا تھا اور پورا قرآن پاک اسی انسانی جدوجہد اور انسانی مجمع کے ساتھ عمل صالح کی تعلیم سے بھرا ہوا ہے۔ تجرد، علیحدگی، خلوت نشینی، ترک عمل اور ترک جماعت کے لیے ایک اشارہ بھی پورے قرآن میں موجود نہیں ہے۔

یہ بالکل ظاہر ہے کہ جماعتی حقوق اور فرائض جماعتوں کے اندر ہی رہ کر ادا ہوسکتے ہیں. ان سے ہٹ کر نہیں. وہ لوگ جو آبادی سے دور کسی جنگل یا ویرانہ میں گوشہ گیر اور عزلت نشین ہوکر زندگی بسر کرتے ہیں. کیا وہ جماعتی مشکلات کو حل کرتے ہیں؟ کیا وہ قوم کی اخلاقی نگرانی کا فرض انجام دیتے ہیں؟ کیا وہ غریبوں کا سہارا بنتے ہیں؟ کیا وہ اپنے دست و بازو سے اپنی روزی کماتے ہیں؟ کیا وہ یتیموں کے سرپرست ہیں؟ کیا وہ خلق الٰہی کی کوئی خدمت کرتے ہیں؟ کیا وہ لوگوں کو گمراہی اور ضلالت سے بچاتے ہیں؟ کیا وہ تبلیغ و دعوت تعلیم و موعظت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد جیسے فریضوں سے عہدہ برآ ہیں حالانکہ اخلاقی عبادتوں کے یہی بہترین مواقع ہیں اسی لئے اسلام کی نظر میں نجات طلبی کا عمومًا یہ مستحسن طریقہ نہیں، قرآن پاک میں ہے۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (تحریم۔ ۱)

تم اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو بھی دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

یعنی انسان کا فرض اپنے ہی کو آگ سے بچانا نہیں بلکہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی بچانا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح طور سے تمام مسلمانوں کو خطاب کرکے فرمایا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته "تم میں سے ہر ایک دوسرے کا ذمہ دار اور نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری اور نگرانی میں آئے ہوئے لوگوں کی نسبت پوچھا جائے گا۔

امیر اپنی رعیت کا چرواہا، مرد اپنے اہل وعیال کا رکھوالا اور بیوی اپنے گھر کی نگہبان ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ صفحہ کتاب النکاح)

جماعتی مصیبتیں جب آتی ہیں، تو کنارہ گیر اشخاص کو بھی نہیں چھوڑتیں، یہ آگ اندر اور باہر سب کو جلاکر خاکستر کردیتی ہے اس لیے وحی محمدی نے اس نکتہ کو علی الاعلان ظاہر کردیا۔ اور کہا۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (انفال ۳۰)

اور اس فساد سے بچو جو صرف گنہگاروں ہی پر نہیں پڑے گا۔

بلکہ اس کی لپٹ گنہگار و بے گناہ سب تک پہنچے گی کہ اگر جماعت اپنے تمرّد کی مجرم ہوئی ہے تو کنارہ گیر اپنے تبلیغ کے فرض سے غافل رہے چنانچہ قرآن پاک میں اصحاب سبت کے قصہ میں ان کنارہ گیر اور فرض تبلیغ سے بے پرواہ رہنے والے اشخاص کو بھی گنہگاروں ہی میں شامل کیا ہے۔

دنیا درحقیقت جدوجہد اور دار وگیر کا ایک میدان ہے جس میں تمام انسان باہمی معاونت سے اپنا اپنا راستہ طے کررہے ہیں راستہ میں سب لوگوں کے ساتھ چلنے میں یقینًا بہت کچھ تکلیفیں ہیں، ہر ایک کو دوسرے کی تکلیف و آرام کا خیال و لحاظ کرنا پڑتا ہے، اس لیے وہ شخص جو ان جماعتی مشکلات سے گھبرا کر الگ ہوجاتا ہے اور صرف اپنا بوجھ اپنے کندھے پر رکھ کر چل کھڑا ہوتا ہے دنیا کے معرکہ کا ایک نامرد سپاہی ہے بیہقی نے شعب الایمان اور ترمذی نے جامع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے۔

ان المسلم الذی یخالط الناس ویصبر علی اذاهم افضل من الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علی اذاهم

(شعب الایمان وجامع الترمذی کتاب الزہد)

وہ مسلمان جو لوگوں میں مل جل کر رہتا ہے اور ان کی تکلیف دہی پر صبر کرتا ہے اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے نہیں ملتا، اور ان کی تکلیف دہی پر صبر نہیں کرتا۔

{ سیرۃ النبی جلد ۶ ص۷۷ تا ص۷۹ }

اسلام کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ وہ ہمارے تمام کاموں کو عبادت بنانا چاہتا ہے، اسلام کے متعلق یہ سمجھنا کہ صرف مسجد میں محدود ہے، صحیح نہیں اسلام تو جس طرح مسجد میں ہے۔ اسی طرح معرکۂ کارزار میں، اسی طرح بازار میں، اسی طرح دفتر میں اور اسی طرح کارخانہ میں، ہماری زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جسے ہم اسلام سے باہر سمجھ سکیں، یہ دین و دنیا کی تفریق ہی غلط ہے جس طرح مسجد میں نماز پڑھنا عبادت، اسی طرح دفتر میں خلوص نیت سے حکومت کے کسی کام کو انجام دینا بھی عبادت ہے۔ ایک مسلمان اسلامی حکومت کا عامل ہوکر اپنی دیانت اور امانت کو قائم رکھ کر ہر وقت ہی عبادت میں رہ سکتا ہے بشرطیکہ اس کی نیت میں اخلاص ہو، ایک مجاہد سرحد پر پہرہ دے کر اسی طرح ثواب حاصل کرسکتا ہے جس طرح ایک نمازی نفل پڑھ کر، بلکہ بعض اوقات مجاہد اس نفل پڑھنے والے سے بھی بڑھ جاتا ہے...

...عبادت صرف نماز روزہ ہی نہیں بلکہ اللہ ہی کی رضاجوئی کے لئے جملہ خدمات کو انجام دینا عبادت ہے اسلام تو مسلمان کو ہر وقت عبادت کے اندر ہی رکھنا چاہتا ہے۔ اس دین سے زیادہ محبوب ومحترم کون سا دین ہوسکتا ہے جو اپنے پیروؤں کی پوری زندگی کو عبادت گذار زندگی بنانا چاہتا ہے اور اپنے پاس ان کی زندگی کے سارے مسائل کے لئے قابل ہدایت روشنی رکھتا ہو۔

(خطبۂ اسلامی حکومت کے عاملین. ماہنامہ مستقبل ۱۹۵۲ء)

ایک دوسری جگہ مزید تشریح فرماتے ہیں:۔

• اس مفہوم کو ہم دوسری عبارت میں یوں ادا کرسکتے ہیں کہ پہلے عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ عبادت صرف چند ان مخصوص اعمال کا نام ہے۔ جن کو انسان خدا کیلئے کرتا ہے، مثلًا نماز، دعا، قربانی، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس تنگ دائرہ کو بےحد وسیع کردیا۔ اس تعلیم کی رو سے، ہر وہ نیک کام جو خاص خدا کے لئے اور اس کی مخلوقات کے فائدہ کے لئے ہو اور جس کو صرف خدا کی خوشنودی کے حصول کے لئے کیا جائے عبادت ہے۔ اسلام میں خدا کے لئے کسی کام کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ کام خواہ خدا کی بڑائی اور پاکی کے لئے ہو، یا کسی انسان یا حیوان کے فائدہ کے لئے ہو، لیکن اس کام کرنے سے اس کام کے کرنے والے کا مقصود نمائش، دکھاوا حصول شہرت یا دوسروں کو احسان مند بنانا وغیرہ کوئی دنیاوی اور مادی غرض نہ ہو، بلکہ محض خدا کی محبت، خوشنودی اور رضامندی ہو۔

اسی تشریح کی رو سے وہ عظیم الشان تفرقہ جو دین اور دنیا کے نام سے مذاہب نے قائم کر رکھا تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس کو دفعتًا مٹادیا دین اور دنیا کی حیثیت اسلام میں دو حریف کی نہیں رہتی بلکہ دو دوست کی ہوجاتی ہے دنیا کے وہ تمام کام جن کو دوسرے مذاہب دنیا کا کام کہتے ہیں۔ اسلام کی نظر میں اگر وہ کام اسی طرح کئے جائیں، لیکن ان کی غرض وغایت کوئی مادی خود غرضی و نمائش نہ ہو۔ بلکہ خدا کی رضا اور اسکے احکام کی اطاعت ہو تو وہ دنیا کے نہیں دین کے کام ہیں اس لئے دین اور دنیا کے کاموں میں کام کا تفرقہ نہیں بلکہ غرض وغایت اور نیت کا تفرقہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کو جو دن رات خدا کی عبادت میں مصروف رہتے تھے فرمایا کہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے کہ اس کو آرام دو۔ تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے کہ اس کو کچھ دیر سونے دو۔ تمہاری بیوی کا بھی حق ہے کہ اس کی تسلی کرو۔ تمہارے مہمان کا بھی حق ہے کہ اس کی خدمت کے لیے کچھ وقت نکالو، غرض ان حقوق کو بھی ادا کرنا خدا کے احکام کی اطاعت ہے اس کی عبادت ہے۔ چنانچہ پاک روزی کھانا اور اس کا شکر ادا کرنا بھی عبادت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (بقرہ ۲۲)

اے ایمان والو! ہم نے جو تم کو پاک اور ستھری چیزیں روزی کی ہیں ان کو کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو

اس آیت سے معلوم ہوا کہ پاک روزی ڈھونڈنا اور کھانا اور اس پر خدا کا شکر ادا کرنا عبادت ہے ایک اور آیت میں توکل یعنی کاموں کے لئے کوشش کرکے نتیجہ کو خدا کے سپرد کردینا بھی عبادت قرار دیا گیا ہے، فرمایا۔

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (ہود۔ ۱۰)

اس کی عبادت کرو اور اس پر بھروسہ رکھو۔

اس طرح کی مشکلات میں صبر واستقلال بھی عبادت ہے۔ فرمایا۔

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ

اس کی عبادت کر اور صبر کر۔

کسی شکستہ دل سے اس کی تسکین وتشفی کی بات کرنا اور کسی گنہگار کو معاف کرنا بھی عبادت ہے ارشاد ہے

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى (بقرہ ۳۰)

اچھی بات کہنا اور معاف کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے ستانا ہو۔

اس آیت پاک کی تشریح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ (بخاری کتاب الادب)

ہر نیکی کا کام خیرات ہے۔

تبسمك فی وجه اخيك صدقة واماطة الاذی عن الطريق صدقة

تمہارا کسی بھائی کو دیکھ کر مسکرانا بھی خیرات ہے، راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا بھی خیرات ہے

غریب اور بیوہ کی مدد بھی عبادت بلکہ بہت سی عبادتوں سے بڑھ کر ہے، فرمایا۔

الساعی علی الارملة والمسكين كالمجاهد فی سبيل الله وكالذی يصوم النهار ويقوم الليل (بخاری۔ ادب)

بیوہ اور غریب کے لیے کوشش کرنے والے کا مرتبہ خدا کی راہ میں، جہاد کرنے والے کے برابر ہے اور اس کے برابر ہے جو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نماز پڑھتا ہے۔

باہم لوگوں کے درمیان سے بغض وفساد کے اسباب دور کرنا اور محبت پھیلانا ایسی عبادت ہے جس کا درجہ نماز، روزہ، اور زکوٰۃ سے بھی بڑھ کر ہے۔ آپ نے ایک دن صحابہ سے فرمایا۔

الا اخبركم بافضل من درجة الصيام والصلوٰة والصدقة۔ کیا میں تم کو روزہ، نماز اور زکوٰۃ سے بھی بڑھ کر درجہ کی چیز نہ بتاؤں۔

صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ارشاد فرمائیے، فرمایا۔

اصلاح ذات البین (سنن ابی داؤد جلد ٢ ص ١٩٣)
وہ آپس کے تعلقات کا درست کرنا ہے۔

...... اس موثر طریقۂ ادا نے خدا شناسی اور خدا آگاہی کے کتنے تو بر تو پردے چاک کر دیئے اور دکھا دیا کہ خدا کی عبادت اور اس کی خوشنودی کے کیا کیا طریقے ہیں؟ حضرت سعد جو چاہتے تھے کہ اپنی کل دولت خدا کی راہ میں دیدیں، آپ نے انھیں بتایا کہ "اے سعد! جو کچھ اس نیت سے خرچ کرو کہ اس سے خداوند تعالےٰ کی ذات مطلوب ہے اس کا تم کو ثواب ملے گا یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں بھی دو اس کا بھی ثواب ہے (ادب المفرد باب یوجر فی کل شئی) ابو مسعود انصاریؓ سے ارشاد فرمایا "مسلمان اگر ثواب کی نیت سے اپنی بیوی کا نفقہ پورا کرے تو وہ بھی صدقہ ہے (صحیح بخاری)

غریب و نادار صحابہ نے دربار رسالت میں ایک دن شکایت کی کہ "یا رسول اللہ دولتمند لوگ ثواب میں بڑھ گئے، ہماری طرح وہ بھی نماز پڑھتے ہیں وہ بھی روزہ رکھتے ہیں ان کے علاوہ وہ مالی عبادت بھی بجالاتے ہیں جو ہم نہیں بجالا سکتے فرمایا کیا تم کو اللہ نے وہ دولت نہیں دی ہے جس کو صدقہ کرسکو، تمہارا سبحان اللہ اور الحمد اللہ کہنا بھی صدقہ ہے۔ یہاں تک کہ جو کوئی اپنی نفسانی خواہش کو جائز طریقے سے پورا کرتا ہے وہ بھی ثواب کا کام کرتا ہے" لوگوں نے کہا "یا رسول اللہ وہ تو اپنی نفسانی غرض کے لیے یہ کرتا ہے" فرمایا کہ اگر وہ ناجائز طریقہ سے اپنی ہوس پورا کرتا تو کیا اسکو گناہ نہ ہوتا؟ پھر اس کو جائز طریقہ سے پورا کرنے کا ثواب کیوں نہ ملیگا؟

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات سے اندازہ ہوگا کہ حسن عمل، ثواب اور عبادت کے مفہوم میں اسلام نے کتنی وسعت پیدا کر دی ہے۔ اور کتنی تو بر تو انسانی غلطیوں کا ازالہ کیا ہے۔ اس تشریح کے بعد روشن ہو جائے گا کہ وحی محمدیؐ نے بالکل صحیح طور سے خلقت انسانی کی غرض وغایت عبادت الٰہی قرار دی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ
(ذریت۔ ٣) اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اس آیت پاک میں عبادت کا وہ تنگ مفہوم نہیں ہے جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے بلکہ وہ تمام نیک اعمال اور اچھے کاموں تک وسیع ہے۔ جن کے کرنے کا مقصد خدا کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار، اس کی اطاعت اور اس کی خوشنودی کی طلب ہو۔ اس وسعت کے اندر انسان کی پوری زندگی کے کام داخل ہیں۔ جن کے بحسن وخوبی انجام دینے کیلئے اس کی خلقت ہوئی ہے۔ یہ روحانیت کا وہ راز ہے جو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دنیا کو معلوم ہوا۔

اسلام اسی لئے آیا ہے کہ اپنے پیروؤں کے پاؤں کے نیچے دونوں جہانوں کی بادشاہیاں رکھدے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب عبادات کے مفہوم کو اس وسعت کے ساتھ سمجھا جائے، جو اسلام کا منشاء ہے اور اسی وسعت کے ساتھ اس کو ادا کیا جائے جو اسلام کا مطالبہ ہے (سیرت النبی جلد پنجم ص تا ص)

(بقیہ) درس حدیث

یا اس کی خاطر غصہ اور ناراض ہونے کا" اس کے بعد آیت مذکورہ پڑھی۔

مفسر ابن کثیر آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہر خاص وعام کو حکم فرمایا "قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا" دیکھو کہ خدا اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اگر نہ مانیں یعنی اگر اس کے اس حکم کی مخالفت کرتے ہیں، تو صاف اعلان ہے (فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ) تو خدا بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔ آل عمران (٣٢)

آیت سے اچھی طرح واضح ہو رہا ہے کہ شریعت کے معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کی مخالفت کفر ہے، اور جس کے اندر یہ بات پائی جائے اللہ تعالیٰ اس سے محبت نہیں فرماتا خواہ وہ شخص اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا عقیدہ اور دعویٰ رکھتا ہو اور اس کے قرب کا حصول چاہتا ہو تاوقتیکہ وہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہ کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو بہت اچھی طرح جانتے اور ان کی خصوصیات ومزاج کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے اتنا کہ جتنا خود ان لوگوں کو اپنے بارے میں علم نہیں تھا۔ آپ سمجھتے تھے کہ وہ بدوی ہیں ان میں نرمی ومحبت کا مادہ کم ہے لہٰذا آپ ان کے اندر اس محبت کو یعنی محبت رسولؐ کو دھیرے دھیرے حکمت وترغیب کے ساتھ پروان چڑھاتے تھے۔ آگے کی روایت سے اس کی اچھی طرح وضاحت ہو جاتی ہے:

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ دیہات کا ایک شخص بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا اللہ کے رسولؐ قیامت کب آئے گی؟" آپ نے اس کے جواب میں فرمایا "تیرا برا ہو تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے جو پوچھ رہے ہو؟ اس بدوی نے جواب دیا کہ قیامت کے لیے ہم کوئی خاص) تیاری تو نہیں کی البتہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا تم جس سے محبت کرتے ہو (قیامت میں) اسی کے ساتھ ہوگے۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ یہ سن کر صحابہ نے عرض کیا اور اسی طرح ہم لوگ بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! آپؐ کا جواب سن کر ہم لوگ اس دن بہت ہی زیادہ خوش ہوئے۔

(جاری)

اسلام نے علم کتاب اور خواندگی کو بنیادی اہمیت دی ہے

مولانا عبداللہ عباس ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بسم اللہ السمیع العلیم۔ بسم اللہ الذی نفتتح بہ الحسنات ونتمم بہ الصالحات۔

جناب صدر، علمائے کرام، دانشوران عالی مقام برادران ملت۔ فرقانیہ اکیڈمی کے کتب خانہ کی نئی عمارت اور دار الشریعہ کی تاسیس کا افتتاح دونوں مناسبتیں ایک تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس موقع پر آپ کا اس عاجز کو دعوت دینا کہ وہ اس مبارک محفل میں شریک ہو کچھ کم اعزاز نہ تھا، چہ جائیکہ آپ اس کو رسم افتتاح کی بھی عزت بخشیں کرم بالائے کرم ہے۔

اس جشن افتتاح کے محرک وداعی اکیڈمی کے بانی اور روح رواں مولانا محمد شہاب الدین ندوی ہیں جو علمی حلقہ میں معروف ومشہور ہیں۔

حضرات! نامناسب نہ ہوگا اگر اس موقع پر میں آپ کو یاد دلاؤں کہ مذاہب عالم کی تاریخ میں اسلام وہ دین ہے جس نے علم، کتاب اور خواندگی کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ اسلامی تاریخ کی ابتدا اس وحی سے ہوتی ہے جو غارِ حرا میں جبرئیل امین کے ذریعہ آئی تھی۔ اس کا پہلا لفظ تھا، اقرأ (پڑھئے) اور اس رب کریم کا نام پڑھئے جس نے تخلیق کے بعد انسان پر سب سے بڑا احسان یہ کیا کہ اس کو قلم کے ذریعہ علم بخشا۔ یہ پانچ آیتیں جو سب سے پہلی دی ہیں کوئی اتفاقی امر نہیں ہیں۔ بلکہ حکمت الٰہی اور منشائے ربانی کا اعلان ہیں:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ○ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ○

(اپنے رب کا نام لے کر پڑھئے جو عدم سے وجود میں لایا جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے تخلیق کی۔ پڑھئے آپ کا رب والاشان وہ ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم بخشا۔ انسان کو وہ بتایا جو وہ نہیں جانتا تھا)

ان آیات پنجگانہ میں جو پہلی وحی کے ابتدائی الفاظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دو احسانات بتائے گئے۔ ایک تخلیق آدم اور دوسرے تعلیم۔ تخلیق آدم کے بعد اس کو علم سے آراستہ کرنا وہ احسان عظیم ہے جس نے انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیا۔ یہ بات ایک جگہ نہیں متعدد مقامات پر قرآن نے مختلف پیرایۂ بیان میں باور کرائی ہے۔ سورۂ رحمان کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○ اَلرَّحْمٰنُ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ○

اس آیت کریمہ میں خلق الانسان کے معاً بعد علم البیان صاف ظاہر کرتا ہے کہ عدم سے وجود میں لانے کے بعد پہلا اور بڑا احسان یہ کیا کہ اس کو قوت بیانیہ سے نوازا۔ قرآن کریم کا مقدس صحیفہ ہم جس ترتیب سے تلاوت کرتے ہیں اس کو ترتیب رسول کہا جاتا ہے۔ یہاں بھی پہلی آیت حروف مقطعات الف لام میم کے بعد ذالک الکتاب ہی ہے۔ اگر ترتیب نزول میں وحی کا پہلا لفظ اقرأ تھا تو ترتیب رسول میں پہلا لفظ الکتاب ہے یہی وجہ ہے کہ قبل نبوت اور بعد نبوت کے زمانوں کے درمیان حد بندی لفظ "اقرأ" اور "الکتاب" ہی سے ہوتی ہے۔ اس لیے قبل نبوت کے زمانہ کو جاہلیت IGNORANCE کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے بندوں کو جن نعمتوں سے نوازا ہے ان میں مال ومتاع، جاہ ومنصب آسائش وآرائش کے وسائل سب کچھ ہیں۔ مگر کسی نعمت کے بارے میں یہ نہیں کہا ہے کہ اس میں اضافہ کی تمنا کرو۔ ہر نعمت میں توسط واعتدال کی تلقین کی گئی ہے۔ اگر طلب رزق کی دعا سکھائی ہے "رب ارزقنی (اے اللہ مجھے رزق دے) تو حدیث نبوی میں دعائے ماثورہ کے ذریعہ "اللّٰھم ارزقنی ما یکفینی" اور کہیں بقدر مایغنینی" سے اعتدال اور بقدر ضرورت پر اکتفا کرنے کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ لیکن علم وہ نعمت ہے جس میں لامحدود اضافہ کی دعا سکھلائی گئی ہے۔ "رب زدنی علماً" (اے اللہ میرا علم بڑھا تا رہ)۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ"
(یعنی کیا بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟)

یہ انداز بیان وہی ہے جو ان آیات کا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اہل بصیرت اور نابینا برابر نہیں ہوسکتے ہیں۔ تاریکیوں اور روشنی کو مساوی درجہ نہیں دیا جاسکتا ہے۔ دھوپ اور سایہ کو ہم پلہ

قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ مردے اور زندہ نفوس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔

"وما یستوی الاعمیٰ والبصیر۔ ولا الظلمٰت ولا النور۔ ولا الظل ولا الحرور۔ وما یستوی الاحیاء ولا الاموات۔" (فاطر ۳)

یہی نہیں بلکہ کتاب کے ساتھ کتاب پڑھنے والوں "الذین یقرءون الکتاب" اور قلم کے ساتھ قلم سے کام لینے والوں "ن۔ والقلم وما یسطرون" کو بھی نہ صرف قابل ذکر سمجھا گیا بلکہ ان کی اہمیت نمایاں کی گئی۔ علم وقلم کی یہ اہمیت جو قرآن کریم نے بتائی ہے۔ اس کی نظیر کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ خواہ وہ آسمانی مذہب ہو یا زمینی۔ اس کی بنیاد وحی والہام پر ہو یا ظن واوہام پر۔

یہ ناممکن تھا کہ جس امت کی بنیاد "اقرا" اور "الکتاب" پر قائم ہو وہ علم وقلم کی دولت سے محروم ہے۔ چنانچہ عہد نبوی میں وہ صحابہ کرام جو مسجد نبوی میں حجرہ منورہ کے سامنے ایک چبوترہ پر آکر قامت گزیں ہو گئے تھے۔ وہ لکھنا پڑھنا اور صاحب کتاب صلی اللہ علیہ وسلم سے عملی تربیت حاصل کرتے۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے۔ یہی وہ مدرسہ نبوت تھا جس کے ایک ممتاز فرزند کا نام عبدالرحمن بن صخر الدوسی تھا اور جو اپنی کنیت ابوہریرہ سے معروف ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

جنگ بدر کے قیدیوں کا یہ فدیہ کہ وہ دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے اپنی پہلی توجہ تعلیم وکتابت پر مرکوز کردی تھی۔ ورنہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ ان قیدیوں کو حکم دیا جاتا کہ شمشیر زنی سکھائیں۔ تجارت کے گر بتائیں۔ شام ویمن کے راستوں، بازاروں اور وہاں کے تاجروں سے معاملت کے طریقے سکھائیں۔ کیونکہ وہ لوگ ان باتوں سے واقف ہی نہیں بلکہ اس راہ کے تجربہ کار تھے۔

مسلمانوں کی علم دوستی کا ذکر اگر تسلسل وترتیب سے عہد بہ عہد اس کی تبدیلیوں اور ترقیات کا ذکر کیا جائے تو یہ بجائے خود ایک موضوع ہے۔ جس پر تحقیقات کا ایک سلسلہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

اس موقع پر جبکہ ایک کتب خانہ کی نئی عمارت کا افتتاح ہو رہا ہے میں اپنی گفتگو اسی نقطہ پر مرکوز رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔

تاریخ اسلام میں جو تھی صدی ہجری اس لحاظ سے ایک زریں دور کہا جاتا ہے کہ اسی دور میں چاروں فقہی مذاہب، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مدون ہوئے۔ صحاح بخاری ومسلم اور سنن ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی اسی عہد میں ظہور میں آئیں۔ تاریخ نویسی کی بنیاد اسی عہد میں پڑی، مکمل تفسیر مدون ہوئی۔ فقہ واصول فقہ سے لے کر نحو وبلاغت، جغرافیہ، علوم فلکیات، کیمیا، طب اور منطق کی بنیادی کتابیں عربی میں پہلی بار تصنیف کی گئیں۔ یہی وہ عصر ہے جس میں اعلیٰ تعلیم کا مرکز بیت الحکمۃ قائم ہوا۔ جس کی بنیاد یوں پڑی کہ خلیفہ مامون الرشید نے ۲۰۵ھ مطابق ۸۲۰ء عیسوی میں حکمائے یونان کے علوم کا ترجمہ کرایا۔ اور ایک رصدگاہ قائم کی۔ اور انہی کی بنیاد پر نظام الملک نے پانچویں صدی کے وسط میں ۴۵۷ھ ہجری مطابق ۱۰۶۵ء عیسوی میں مدرسہ نظامیہ قائم کیا۔ بیت الحکمۃ اور دارالعلوم جیسے علمی اداروں کی اصل روح وہ کتب خانے تھے جو تمام اہل علم کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ دارالعلوم ایک نیم سرکاری کتب خانہ تھا اس کا مقصد دعوت اور طبعیاتی سے واقفیت پیدا کرنا تھا۔ اور دارالعلوم ہی سے مدرسے کھلے۔ لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کتب خانے تخم کی حیثیت رکھتے تھے اور دانش گاہیں اس سے اگنے والے شجر ہائے سایہ دار تھے۔ تقریباً چوتھی صدی کے اختتام پر مقدسی نے اس کتب خانہ کو دیکھا تھا جسے عضد الدولہ

ابویحیی نے شیراز میں تیار کیا تھا۔ وہ لکھتا ہے:۔

"میں نے عضد الدولہ کے کتب خانہ کو دیکھا اس کی عمارت مستقل تھی۔ اس کا ایک ناظر تھا۔ ایک امین اور ایک عمومی محافظ یہ سب ملک کے منتخب ایماندار اصحاب امانت وثقہ افراد تھے۔ اس زمانہ تک کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو کسی فن میں تالیف کی گئی ہو اور وہ اس کتب خانہ میں نہ ہو۔ تمام مخطوطات الماریوں میں تھیں جس کے فن وار خانے بنے ہوئے تھے اور فہرستیں تھیں جن میں ہر ایک کا نام تھا۔"

فاطمی خلیفہ الحاکم بامراللہ نے قاہرہ میں جو کتب خانہ قائم کیا تھا اس میں ہر طرح کے علمی مآخذ موجود تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ علوم جو مشکل سمجھے جاتے تھے اور جن کے جاننے والوں کی تعداد کم ہوتی ہے جیسے ریاضیات، اور علم الفلک، ان پر جو کتابیں تھیں ان کی تعداد چھ ہزار پانچ سو تھی۔ اس کتب خانہ میں پیتل کا ایک گلوب (زمین کا نقشہ) تھا جسے بطلیموس نے تیار کیا تھا۔ پورے کتب خانہ میں کتابوں کی تعداد بقول مقریزی کے ایک لاکھ بیس ہزار مجلد تھی۔ اور مصری محقق ابوشامہ عبدالرحمن نے کتاب الروضتین میں لکھا ہے کہ ان کی تعداد بیس لاکھ سے زائد تھی۔

جب یہ کتب خانہ فروخت ہوا تو سب سے زیادہ کتابیں جس نے خریدیں وہ مشہور انشا پرداز القاضی الفاضل تھے (جن کے مقلد حریری اور بدیع الزماں ہیں) انھوں نے ایک لاکھ کتابیں خرید کر اپنے مدرسہ "المدرسۃ الفاضلیۃ" کے لیے وقف کردیں۔

(جاری)

سمرقند وبخاریٰ کی بازیافت

دوسری قسط

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
صدر شعبۂ عربی ادب، ندوۃ العلماء لکھنؤ

بخارا نے دوسری تیسری صدی ہی سے اسلامی علوم میں ترقی شروع کردی تھی اور بعد کی صدیوں میں تو اس نے علم تمدن دونوں کے لحاظ سے اس پورے علاقہ میں ممتاز اور مرکزی مقام حاصل کرلیا تھا اور پورے عالم اسلام کے گنے چنے چند ممتاز ترین مقامات میں شمار ہونے لگا تھا خاص بخارا میں ڈھائی سو مدرسے اور ساڑھے تین سو سے زائد مسجدیں تھیں دوسرے اہل علم یہاں کسب فیض کرنے آتے اور یہاں کے لوگ عالم اسلام کے دوسرے علمی مراکز میں جاتے۔ علم کے حصول کے لئے سفروں کا بڑا رواج تھا۔ طالبان علم کاملین علم کے پاس انھیں کے شہروں میں جاتے اور کسب فیض کرتے تھے۔ اس میں بخارا کو بھی بہت اہم مقام حاصل تھا۔

تمدنی لحاظ سے بھی بخارا کی ترقیات وعظمتوں کی بڑی تفصیل ملتی ہے یہ سلسلہ صدیوں چلتا رہا اور کسی نہ کسی حد تک موجودہ صدی کے شروع تک قائم رہا۔

سمرقند کو بھی اس علاقہ میں بڑی اہمیت حاصل رہی علم وتمدن دونوں میں اس کو بھی خصوصیت حاصل رہی وہاں بھی بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے اور تیمور کا تو وہ دارالسلطنت تھا تیمور نے حکومت وطاقت کا بڑا مقام بنا لیا تھا اس کے اثر سے اس کے زمانہ کا سمرقند دنیا کے دور دور کے خطوں میں بہت شہرت اور عظمت کا مالک بن گیا تھا اس کے علاقہ کا نام صغد ہوا۔

سمرقند سے کئی سو کیلو میٹر مشرق میں تاشقند شاش کے نام سے مشہور تھا۔ اور اہل علم کا مرکز تھا۔

سمرقند وبخاریٰ کے علاوہ ترکستان کے اس حصہ میں متعدد تاریخی وعلمی شہرت کے مقامات وشہر ہیں مثلاً فرغانہ، مرغینان، اندجان، نمنکان، خوقند، ترمذ، فاراب وغیرہ یہ پورا علاقہ ازبک نسل کا علاقہ ہونے کی بناء پر ازبکستان کہلاتا ہے اور مستقل ایک ملک کی حیثیت رکھتا ہے ازبکستان کا یہ ملک پورے ترکستان میں ایک قابل ذکر اہمیت کا مالک ہے لیکن وہ ترکستان کا کل علاقہ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ کئی علاقے مستقل ملکوں کی شکل میں اس سے ملے ہوئے ہیں جیسے قرغیزا اور اس کے مشرق میں اور ترکمانستان جو جنوبی مغربی رخ پر قازقستان شمالی رخ پر واقع ہے اور مغربی رخ پر بحر اسود کے جنوب مغربی کنارے پر آذربائیجان واقع ہے یہ سب ملاکر چھ وسط ایشیائی ملک بنتے ہیں۔ ان کی آبادیاں ازبکستان اور قازقستان کو چھوڑ کر نصف نصف کروڑ کے ارد گرد ہے جبکہ ازبکستان اور قازقستان ایک کروڑ سے اوپر ہیں ان سب میں ۸۰،۹۰ فیصد آبادی ترکستانی مسلمانوں کی ہے بقیہ میں روسی اور یہودی ہیں یہاں رہنے والے اسلام کے عہد اول ہی میں اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے پھر شروع کی صدیوں میں علم ودین کے بڑے بڑے آفتاب ومہتاب پیدا ہوئے اس پورے خطۂ ارض کو وہ ترکمانستان نامی علاقے کو چھوڑ کر قدیم عربی اصطلاح میں ماوراء النہر کہا جاتا تھا۔ یعنی دریا کے دوسرے پار کا علاقہ دریا سے مراد دریائے جیحون ہے جو اس خطے کے جنوبی حصے سے شمال کی طرف جاتا ہے اس دریا کے شمال کا سارا علاقہ ماوراء النہر اور اسکے جنوب میں واقع علاقے کو جو موجودہ ایران کے وسط تک اور موجودہ افغانستان کے پورے مغربی حصے میں پھیلا ہوا ہے خراسان کے لفظ سے موسوم کیا جاتا تھا اور ترکستان کے جو علاقے دریائے جیحون کے مغربی جانب واقع ہیں وہ قدیم اصطلاح میں خوارزم کہلاتے تھے خوارزم دریائے جیحون کے مغربی کنارے سے بحر قزوین تک پھیلا ہوا علاقہ ہے اب وہ زیادہ تر بالا (ترکمانستان کے ملک کا جزو ہے) بایں طور کہ ترکمانستان کا مشرقی علاقہ قدیم خراسان کا شمالی کنارہ تھا اور ترکمان کا شمالی مغربی علاقہ خوارزم کا علاقہ تھا۔ اب ترکمانستان کے تمام علاقے ماوراء النہر کی طرح ترکستانی یا وسط ایشیائی علاقے ہیں۔

اسلام کے اولین زمانوں میں ماوراء النہر کے ساتھ خراسان اور خوارزم کے علاقوں سبھی بڑی عظیم شخصیتیں پیدا ہوئیں جنھوں نے علم وثقافت اور سیاست واقتدار کے سبھی میدانوں میں نام پیدا کیا۔

اس ترکستان یا ماوراء النہر کے خطہ کو موجودہ اصطلاح میں وسط ایشیا سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ علاقہ دراصل تاتاری نسلوں کا گہوارہ ہے جن کا سلسلہ ترکی تک گیا ہے ترکی کے باشندے بھی اوپر جاکر تاتاری نسلوں سے مل جاتے ہیں۔ تاتاری نسلوں کے اس علاقہ سے متصل مشرق میں منگولی علاقہ پڑتا ہے جن سے تاتاریوں کا خلا ملا رہا ہے جس کے اثر سے آپس میں ربط واتصال ہوا جس کے اثرات ان کی بعض نسلوں پر پڑے۔

ترکستان کا علاقہ صرف انہی چھ ریاستوں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ان کا سلسلہ موجودہ چین کے علاقہ تک چلا گیا ہے جہاں سنکیانگ کا صوبہ ہے جو چینی سلطنت کا عرصہ سے مغربی جزء ہے اس کے مشہور شہروں میں کاشغر اور ختن ہیں وہاں کی زبان ثقافت، نسل و مذہب بقیہ ترکستانی دنیا سے بڑی حد تک مشابہت ویکسانیت رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ آذربائیجان کے شمال میں اور خود روسی ملک کے اندر کا خطہ مسلمانوں وتاتاری نسلوں کی اکثریت کا ہے جنکی آزادی کی جد وجہد چلتی رہی ہے اور اب بھی چل رہی ہے وہ داغستان، تاتارستان اور شیشان علاوہ روسی حکومت نے ان کو کسی حد تک اندرونی خود مختاری بھی دی ہے ان کے علاوہ ایک جزیرہ بحر اسود میں ترکی اور اس کے درمیان کریمیا کا ہے جس کو روس نے قبضہ کر کے وہاں کے اصل باشندوں سے خالی کرا لیا تھا۔ اور اپنی آبادی بسادی تھی اس کے اصل باشندے روس کے مختلف علاقوں میں بکھیر دیئے تھے وہ اب اپنے وطن کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

بہرحال ترکستان کے مختلف مقامات اول اسلامی دور سے علم ودین کا مرکز وسرچشمہ بنے، ان میں بے شمار صلحا، علماء اور مصنفین پیدا ہوئے جگہ جگہ درسگاہیں اور مدرسے قائم ہوئے، اہل علم دور دور کے مقامات سے آکر ان سے فیضیاب ہوتے تھے ان مقامات میں سے فرغانہ کے خطے کو سمرقند اور بخاری کو زیادہ اہمیت ومرکزیت حاصل رہی تھی۔ مولانا جامی نے شاید یہی محسوس کرتے ہوئے کہا ہے

سگ کہ در یثرب دبطحا، زدند
نوبت آخر بجنبرا زدند

ترکستان کا علمی فیض سارے عالم اسلام کو پہونچا۔ خاص طور پر حدیث شریف میں امام بخاری اور امام ترمذی، امام نسائی جیسے اولین ائمہ حدیث وہیں پیدا ہوئے حدیث کے علاوہ فقہ اور فلسفہ میں بھی اسی علاقہ کو امتیاز حاصل ہوا، فقہ کی عظیم کتاب المبسوط کے مصنف امام سرخسی اور ایک دوسرے بڑے مصنف فخر الدین بن منصور صاحب، فتاویٰ قاضی خاں پھر مشہور شخصیت امام مرغینانی صاحب ہدایہ۔ ان کے علاوہ علاء الدین محمد بن احمد سمرقندی صاحب تحفۃ الفقہاء ان کے علاوہ امام ابوبکر محمد بن اسمٰعیل بن قفال الشاشی صاحب اصول الشاشی اسی علاقہ کے تھے۔ مشہور

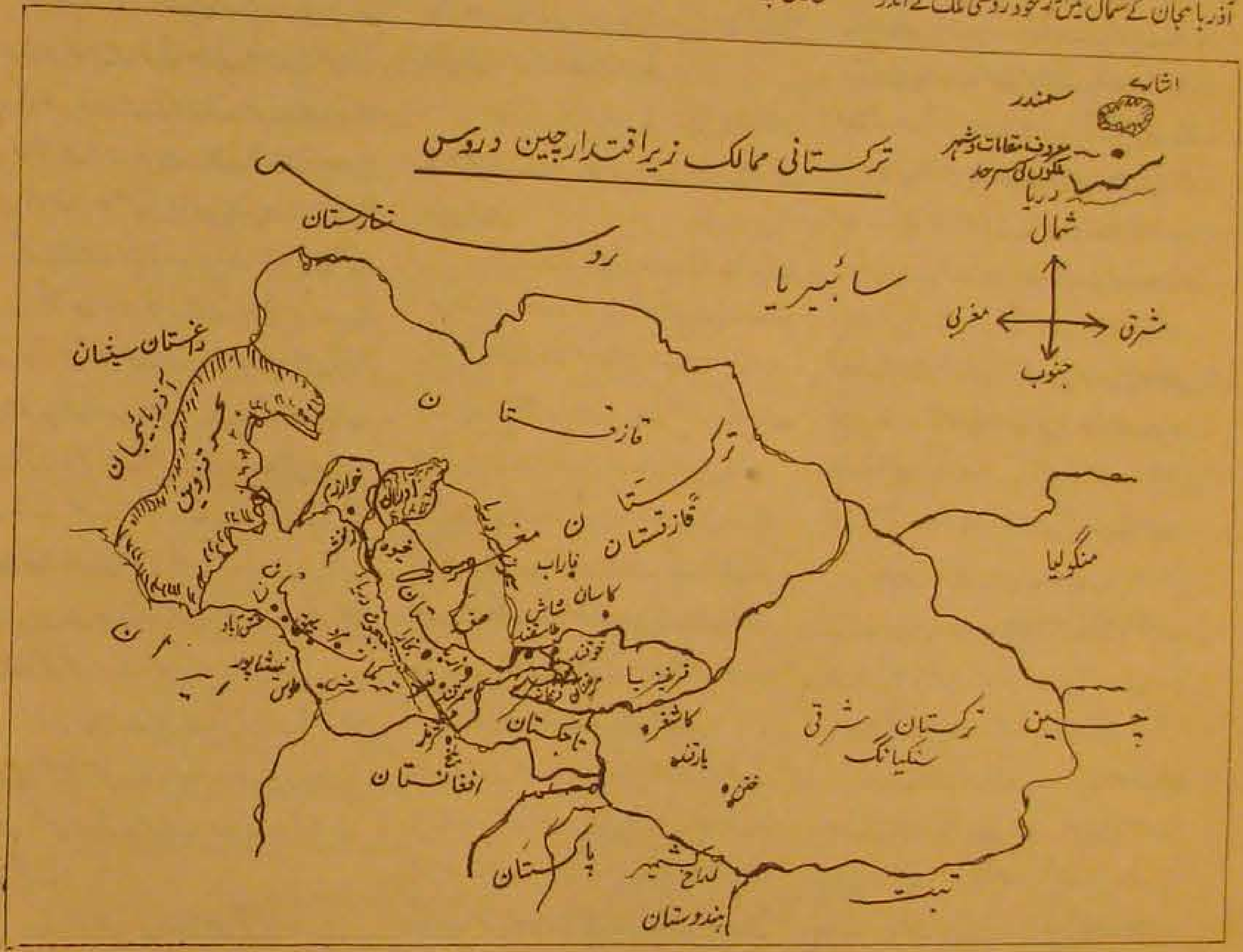

امام طب و فلسفہ ابن سینا صاحب کتاب الشفا فی الطب مشہور فلسفی ابونصر فارابی، اور علم کلام کے امام ابو منصور ماتریدی اسی علاقہ کے تھے اس کے علاوہ برصغیر میں کئی صدی رہنے والی مغل حکومت کے مورث بابر اور تیمور اسی علاقہ کے تھے تصوف و تزکیہ کے عظیم ترین شیوخ خواجہ بہاء الدین نقشبند بانی طریقہ نقشبندیہ اور خواجہ عبید اللہ احرار اسی علاقہ کے تھے اسی طرح کتب صحاح میں سے سنن نسائی کے مصنف امام نسائی اور ان کے علاوہ امام ابوبکر کاسانی صاحب بدائع الصنائع امام ابوالبرکات عبد اللہ نسفی صاحب تفسیر مدارک التنزیل علامہ علاء الدین سمرقندی صاحب تحفۃ الفقہاء علامہ عبد الرحمٰن تیمی دارمی سمرقندی صاحب مسند دارمی بھی اسی علاقے کے تھے ان کے علاوہ اسمٰعیل بن حماد جوہری صاحب کتاب الصحاح محدث اور امام احمد بن حنبل صاحب مذہب فقہی عبد اللہ بن مبارک، فضیل بن عیاض، اسحٰق بن راہویہ وغیرہ مرو کے علاقے کے ترکمانستانی خطے کے تھے

اور ترکستان کے خوارزمی خطے کے مشہور علماء میں علامہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف و مفصل و کتب دیگر، ابوبکر خوارزمی مشہور امام ادب وزبان عربی، علامہ یوسف السکاکی صاحب مفتاح العلوم، علامہ سعد الدین التفتازانی صاحب مختصر المعانی، مشہور جغرافیہ داں ابوریحان بیرونی خاص طور پر قابل ذکر ہیں یہ وہ حضرات ہیں جن کی کتابیں ہمارے مدارس وجامعات کے نصاب میں داخل ہیں یا علوم اسلامیہ کے مراجع میں ہیں۔ پھر اس علاقہ نے اپنی خصوصیات کو صدیوں برقرار رکھا، لیکن جب عالم اسلام کے زوال کے ساتھ ساتھ یورپ کو تمدن وسیاست میں تفوق حاصل ہوا تو اس علاقہ پر زار روس کی سامراجی حکومت نے یلغار کی اور اس پر قبضہ کر کے اس کو بہت سے حقوق سے محروم کر دیا جس کے مقابلہ کے لئے تحریکیں چلیں اور قربانیاں دی گئیں اور برسوں کی جد وجہد کے بعد قدرے آزادیاں حاصل ہوئیں پھر خود روس میں انقلاب آیا اور کمیونسٹ اقتدار قائم ہوا۔ اس نے ترکستان کے علاقوں کے آزاد رہنے کا حق تسلیم کیا اور اقتصادی وسیاسی بہتری کے خواب دکھائے اور ان سے دوستی اور اتحاد کا تعلق قائم کرنا چاہا اور وعدے کئے لیکن موقع پا کر اپنی سخت گرفت میں لے لیا، اقتصادیات اور سیاسیات میں اپنا نظام چلایا۔ مذہب کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا اور مذہبی طور وطریق سے سختی کے ساتھ منع کر دیا۔ مذہب سے کسی طرح کا تعلق رکھنا سخت قابل سزا جرم قرار دیا مذہبی مقامات پر پابندیاں لگا دیں بلکہ بے شمار مسجدوں کو منہدم کر دیا ان میں سے ایک تعداد کو دوسرے مقاصد کی ضرورت کے لئے بدل دیا۔ اذانیں موقوف کر دی گئیں۔

مذہبی جگہوں پر جانا یا مذہبی تعلیم دینا یا مذہبی وعظ ونصیحت کرنا حتی کہ مذہب کی بنیادی رسوم ادا کرنا مثلاً نکاح شرعی، عقیقہ، نماز جنازہ، سب منع کر دیا اور قابل سزا جرم قرار دیدیا خلاف ورزی کرنے والوں کی ایک تعداد قتل کر دی گئی، ایک تعداد جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے کر دی گئی، نتیجتاً حالات بہت بدل گئے، اس طرح اس پورے علاقے سے مذہبی زندگی کے بہت آثار مٹ گئے سوائے چند مسجدوں کے اور ایک آدھ مدرسے کے جنکو بیرونی دنیا کو دکھانے اور اپنی ظالمانہ روش کو چھپانے کیلئے باقی رکھا گیا، اور چند علماء کو بحیثیت علماء جھوٹے اظہار کیلئے علماء کی طرح باقی رکھا گیا۔

مذہب کو مٹانے کے لئے بار بار سرکلر جاری ہوئے، اور الحاد کے فروغ کیلئے ایک انجمن تشکیل دی گئی جو مختلف مقامات کا جائزہ لیتی اور حسب ضرورت پروپیگنڈہ اور تدابیر سے مذہب سے تعلق کے ہر نشان کو مٹانے کی تدبیر کرتی، اس سب کے نتیجہ میں یہ علاقہ جو مدت سے مذہبی علوم کا مرکز اور مذہب سے تعلق کا مظہر تھا اور مذہب کا گہوارہ بن گیا تھا، اس ظالمانہ وجابرانہ روش کا شکار ہوا۔ ۷۰ سال کی اس سفاکانہ مدت میں یہاں کے مسلمانوں کی تقریباً تین نسلیں گذر گئیں، ان میں دوسری یا تیسری نسل اپنے شاندار مذہبی ماضی سے بالکل ناواقف تیار ہوئی، عربی زبان ممنوع تھی اور مقامی قومی زبان کا رسم الخط بدل چکا تھا اسلئے ماضی سے نئی نسل کا کوئی رشتہ باقی نہ رہا تھا اور وہ اپنے ماضی سے بھی ناواقف ہو چکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم اور مجاہد بندے ایسے بھی تھے جنھوں نے رات کی تاریکیوں میں اور پہاڑوں کے غاروں میں چھپ کر ٹمٹماتے چراغوں کی روشنی میں دین سے واقف کرانے کی جد وجہد جاری رکھی کچھ پکڑے جاتے، اور شہید ہوتے، اور کچھ کام کرتے جاتے، چنانچہ اب جب کمیونسٹ استبداد کا پنجہ ڈھیلا ہوا تو اندازہ ہوا کہ مذہب کو بالکل ختم نہیں کیا جا سکتا اور اسلام سے اس قوم کی نسبت بھی ختم نہ کی جا سکی، اگرچہ آزادی بہت کم مل سکی ہے، لیکن بہت تیزی سے مسجدیں تعمیر ہونا شروع ہو گئی ہیں اور ابتدائی مکاتب بھی تیزی سے قائم ہونا شروع ہو گئے ہیں اور کوشش کرنے والے اپنی پرانی اسلامی حالت پر واپس ہونے کی کوشش میں لگے ہیں۔ حالانکہ حکومت کے نظریات میں ابھی فرق نہیں آیا ہے، بلکہ وہ کمیونزم کے ہی حلقہ بگوش ہیں لیکن ملک کی اقتصادی بدحالی نے ان کو طرز عمل میں ڈھیل دینے پر مجبور کیا ہے، ملک کو باہر کے لوگوں کی آمد اور تعاون کے لئے کھولا گیا ہے۔ ان اسباب کی بنا پر امام بخاری منصوبہ کے اور تعاون کرنے (باقی صفحہ پر)

نان و نفقہ

جناب سید غلام محی الدین صاحب

سالہا سال کے بعد پہلی بار پالو (PAULO) سبز سپائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کے سامنے دریائے گنگا کی لہریں چاندنی رات میں چمکتی بل کھاتی جمنا سے ملنے کے لیے بیتاب سی سبک روی سے بہتی ہوئی چلی جا رہی تھیں۔ پالو سوچ رہا تھا کہ اس کے کپڑے کہاں تک پہونچ سکیں گے۔ الٰہ آباد یا بنارس تک؟۔ نہیں! شاید اتنی دور نہ جا سکیں گے۔ اور دریا میں اشنان کرنے والے اس کے امانی سوٹ کو دیکھ کر کیا خیال کریں گے؟ پچھلے سال کرسمس کے موقع پر اس کی بیوی نے اس سوٹ کو اس کے لیے خریدا تھا۔

بیوی کا خیال آتے ہی وہ ایک لمحے کے لیے جھجکا اور بے اختیاری کے ساتھ اس کا ہاتھ اس کی جیب تک پہونچ گیا۔ اس نے اپنا پاسپورٹ نکال کر اپنا فوٹو دیکھا اور پھر احتیاط کے ساتھ جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ دراصل اسے اپنی تصویر کبھی پسند نہیں آتی تھی۔ اس میں وہ کچھ بوڑھا دکھائی پڑتا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو بھی کبھی پسند نہیں کیا تھا حالانکہ اس کی شادی کو ۲۳ سال ہو چکے تھے۔

پالو اس کے بعد پھر کبھی نظر نہیں آیا اور نہ اس کا کچھ پتہ ہی چل سکا۔ تھوڑے عرصے کے بعد شمالی اٹلی میں واقع اس کے گھر والوں کو ایک تار موصول ہوا جس میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ ہندوستان میں الٰہ آباد کے جنوب میں اس کے کپڑے دریائے گنگا میں ملے ہیں۔ شاید وہ ڈوب گیا ہوگا۔ پولیس کے خیال کے بموجب اس نے خودکشی کر لی ہوگی۔ اس کے بعد اس کے خاندان (جس میں دو بچے کافی بڑے ہو چکے تھے) نے یہ سمجھ کر صبر کر لیا کہ غالباً وہ کسی کام سے ہندوستان گیا تھا جہاں اس کا آخری وقت آ گیا۔ پالو اب جنوبی امریکہ میں ایک اور شخص کی مہربانی سے دوسری زندگی شروع کر چکا ہے۔

اٹلی کے شہر میلان (MILAN) میں امبرٹو گالینی (UMBERTO GALLINI) اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے سامنے میز پر دنیا کا نقشہ پھیلا ہوا ہے۔ اس پر نظریں جمائے ہوئے امبرٹو نے کہا "پالو کے خاندان نے اسے مردہ تصور کر لیا ہے لیکن یہ ٹھیک ہی تو ہے۔ ہمارے اٹلی میں ایک قانون ہے جس کے تحت انشورنس کمپنی اس کے گھر والوں کو پانچ سال کے بعد کافی موٹی رقم ادا کر دے گی۔"

امبرٹو گالینی ستمبر ۱۹۹۱ء سے "خوش و خرم تارکین وطن کی قومی انجمن" چلا رہا ہے۔ وہ ضرورتمندوں کو دوسرے ملکوں میں ایک نئی زندگی، نیا گھر، ملازمت اور اگر کوئی چاہے تو نیا شریک حیات تک مہیا کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر جنوری ۱۹۹۳ء میں ایک ساٹھ سالہ شادی شدہ پروفیسر بولگون یونیورسٹی سے یکایک غائب ہو گیا تھا۔ وہ اب میڈاگاسکر کے ایک دور دراز گاؤں میں گالینی کی مدد سے ایک بیس سالہ بیوی کے ساتھ خوش و خرم زندگی بسر کر رہا ہے۔

یہ افسانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ ماہنامہ پروب انڈیا (PROBE INDIA) کے شمارہ اگست ۱۹۹۳ء کی ایک رپورٹ کا ابتدائی حصہ ہے۔ اس میں پالو کے علاوہ متعدد اشخاص کا تذکرہ ہے جو گالینی کی مدد سے دوسرے ملکوں میں جا کر بس گئے ہیں۔ گالینی کے رجسٹر میں ۳۲۳ موکلوں کے نام اور پتے درج ہیں جن میں سے ۱۸۵ اشخاص اب تک غائب ہو چکے ہیں۔ گالینی اس کام کے لیے اپنے موکلوں سے ساڑھے سات لاکھ لیرا (چودہ ہزار روپے) بطور فیس اور دوسری سہولتوں اور سفر خرچ کے لیے مزید رقم وصول کرتا ہے۔ لیکن یہ کون لوگ ہیں جو اپنا گھر بار چھوڑ کر دیار غیر میں جا کر بسنا پسند کرتے ہیں۔ دراصل یہ وہ لوگ ہیں جو نہ اپنی بیوی سے نباہ کر سکتے ہیں اور نہ قانوناً طلاق دے کر نان و نفقہ کے نام سے مطلقہ عورت کو ہر ماہ اپنی آمدنی کا ایک بڑا حصہ دینا چاہتے ہیں۔

نان و نفقہ کا ذکر آتے ہی ذہن معاً شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد اٹھنے والے طوفان کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہندی اور انگریزی پریس نے اس وقت اس طرح آسمان سر پر اٹھا لیا تھا کہ گویا مسلمان جسٹس اکبر کی مخالفت کر کے ہندوستانی حکومت سے بغاوت پر آمادہ ہو گئے ہوں یا پھر وہ ستی یا غلامی جیسی لعنت کو دوبارہ رائج کرنا چاہتے ہوں۔ اردو اخبارات و رسائل بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ وہ اس مسئلہ کو ہیجان خیز سرخیوں کے ساتھ پیش کر کے اپنی اشاعت بڑھانے کے درپے تھے بہت سے ترقی پسند مسلمان قرآن و حدیث کی رو سے مطلقہ عورت کو نان و نفقہ ملنے کے جواز کو اس طرح ثابت کر رہے تھے گویا ان کی ساری زندگی اسلامی علوم کے مطالعہ میں گذری ہو۔ اسی سلسلہ میں مرحوم جسٹس حمید اللہ بیگ صاحب چیرمین مرکزی اقلیتی کمیشن نے ایک لمبا چوڑا سوالنامہ بھیج کر جواب مانگا تھا اور پھر دلی میں ایک جلسہ بھی طلب کیا تھا۔ اس میں شرکت کے لیے جب مجھے دلی جانا پڑا تو ایک دوست سے ملنے کے لیے ذاکر نگر اوکھلا بھی جانا ہوا تھا۔ انھوں نے فوراً مجھے متنبہ کیا کہ یہاں آپ اس معاملہ پر کوئی گفتگو کسی سے نہ کریں۔ یہاں کا ماحول مسلم پرسنل لا بورڈ کی مخالفت

میں اس قدر گرم ہے کہ پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔ اسی زمانے میں ایک بزرگ خاتون نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "معاف فرمائیے دنیا کے سارے قوانین کی طرح اسلامی قانون بھی مردوں کی ہی دین ہے لہٰذا وہ بھی عورتوں کے ساتھ انصاف کرنے سے قاصر ہے" مجبوراً مجھے یہ کہنا پڑا کہ آپ کو اظہار خیال کی آزادی ہے لیکن خدا کے لیے کوئی ایسی بات تو منہ سے نہ نکالیے کہ جس سے ایمان سلب ہونے کا خطرہ ہو۔

مطلقہ عورت کو نان و نفقہ دیئے جانے کے حامی لوگوں کی سب سے بڑی دلیل یہی تو تھی کہ جس عورت کو کسی مرد نے بے سہارا کر دیا ہو اس کا خرچ وہ کیوں نہ برداشت کرے۔ غریب عورت کیوں دربدر کی ٹھوکریں کھاتی پھرے۔ اس پر غور کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا کہ اگر قانوناً کسی کو مطلقہ کا خرچ برداشت ہی کرنا پڑا تو اس سے بچنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کر سکتا ہے؟ کہیں اس سے عورتوں پر دوسرے مظالم کا دروازہ تو نہیں کھل جائے گا؟ انسان طبعاً اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات بہت دنوں تک نہیں برداشت کر سکتا اور اس سے بچنے کی راہیں تلاش ہی کر لیتا ہے۔

روزنامہ ٹائمس آف انڈیا مورخہ ۷ ارنومبر ۱۹۹۱ء کے میگزین سیکشن میں ایک فیچر شائع ہوا تھا جس کا عنوان تھا "معاہدہ شادی"۔ اس میں یہ بتلایا گیا تھا کہ یورپ کے بیشتر ملکوں اور امریکہ میں شادی سے قبل یہ معاہدہ ہونے لگا ہے کہ شادی کے بعد عورت کو ایک مقررہ رقم اس شرط کے ساتھ ملے گی کہ وہ شادی فسخ ہونے یا کسی دوسری صورت میں نہ تو شوہر سے کچھ پا سکے گی اور نہ اس کے ترکہ کی حقدار ہوگی۔ انگلینڈ میں اس وقت تک ایسے معاہدوں کو قانونی جواز حاصل نہیں تھا لہٰذا اخبارات میں اس پر گرما گرم بحث چل رہی تھی اور حکومت پر دباؤ بڑھ رہا تھا کہ برطانیہ میں بھی اسے قانونی جواز دے دیا جانا چاہیے۔ السسٹر (ALCESTOR) کے پادری ایورنڈ ڈیوڈ کیپرن (DAVID CAPRON) نے اس سلسلہ میں یہ تبصرہ کیا کہ اس معاہدہ سے ذہن اس طرف مائل ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک فریق کے حق میں ہے۔ اس سے تو معاہدۂ نکاح پر ضرب پڑتی ہے۔ قبل نکاح کے اس معاہدہ سے کیا وہ دکھ اور درد کم ہو جائے گا جو فسخ نکاح کا لازمی نتیجہ ہے؟"۔ لیکن کیا یہ معاہدہ طلاق کی صورت میں نان و نفقہ سے پیچھا چھڑانے کے حیلے کے علاوہ کچھ اور ہے؟ بلکہ یہ تو اس سے بھی سخت تر اور شوہر کے مرنے پر عورت کو اس کے ترکے سے بھی بے دخل کرنے والا ہے۔ یہ ہے ہمارے ان ترقی پسند اور ترقی یافتہ ملکوں کا حال جہاں شادی شدہ لوگوں سے زیادہ لوگ بغیر شادی کے ازدواجی زندگی کا لطف اٹھاتے ہیں لیکن چونکہ بعض صورتوں میں انھیں غیر منکوحہ عورت کے بچوں کا خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے لہٰذا اس سے بھی بچنے کی صورت ڈھونڈھ لی گئی ہے۔

ہمارا ملک غیر ترقی یافتہ سہی لیکن کسی سے پیچھے نہیں ہے، احمد آباد اور بمبئی جیسے بڑے شہروں میں مالدار طبقے کے افراد ایک میتری سند یعنی یا معاہدہ دوستی کے تحت زن و شوہر کے تعلقات قائم کر لیتے ہیں۔ اس معاہدہ میں یہ شرط ہوتی ہے کہ مرد عورت کو اس وقت تک جب تک کہ ایک فریق اس معاہدہ کو نہ توڑے ایک مقررہ رقم دیتا رہے گا لیکن اس کے بعد مرد پر کسی قسم کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ نہ عورت کی اور نہ اس کے بچوں کی۔ لیکن یہ تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں۔ غریب اور درمیانہ طبقہ کے لوگ نہ تو مفقود الخبر ہونے اور نہ کسی معاہدے کے تحت کسی عورت کو اتنی رقم دے سکتے ہیں کہ وہ سارے حقوق سے دستبردار ہو جائے۔ شادیاں ہوں گی تو کچھ علیحدگیاں اور طلاق بھی۔ اور مطلقہ کو جس کے ساتھ ایک آدمی کسی طرح گذارہ کرنے پر تیار نہیں، ماہ بہ ماہ اسے خرچ کیوں دیا کرے۔ لہٰذا اس سے بچنے کا اس نے وہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے جسے ہم روز آنہ اخبارات میں دلہنوں کے جلائے جانے کے نام سے پڑھتے رہتے ہیں۔ یہ دلہنیں اکثر و بیشتر شادی کے کافی عرصہ کے بعد دس صورتوں میں اس وقت جلائی جاتی ہیں جب کہ وہ ایک یا زائد بچوں کی ماں بن چکی ہوتی ہیں۔ اگر معاملہ صرف جہیز کا ہو تو شادی کے فوراً بعد یا زیادہ سے زیادہ چند مہینوں کے اندر ہی یہ واقعہ پیش آ جانا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ ان جلائی جانے والی دلہنوں میں ایک بڑی تعداد ان عورتوں کی بھی ہوتی ہے جنھیں طلاق دے کر ان کے شوہر قانونی چارہ جوئی کے ساتھ نان و نفقہ کا حل تلاش کر لیتے ہیں۔ مسلمانوں میں ایسے اندوہناک واقعات شاذ و نادر ہونے کی وجہ شریعت کے ذریعہ نان و نفقہ کی ذمہ داری نہ ہونے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

یقیناً اللہ ہی جانتا ہے کہ ہمارے لیے نفع بخش کیا ہے اور کیا نقصان رساں۔ صرف وہی علیم و خبیر ہے۔

بقیہ: سوال و جواب

س:۔ ایک شخص اپنا تمام مال صدقہ کر دیتا ہے تو اسکی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

ج:۔ اگر کوئی شخص اپنا تمام مال صدقہ کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

س:۔ بعض مسجدوں میں بجلی کی چوری کی جاتی ہے شرعاً یہ کیسا ہے؟

ج:۔ شرعاً بجلی کی چوری جائز نہیں ہے کوئی چیز حکومت کی ہو یا کسی اور کی اس سے عدم جواز میں کوئی فرق نہیں واقع ہوگا۔

س:۔ مسجد بناتے وقت بہت سے لوگ حکومت کی زمین میں بڑھ کر مسجد بنا دیتے ہیں کیا یہ شرعاً درست ہے؟

ج:۔ نہیں ایسا کرنا ہرگز درست نہیں۔ اگر حکومت کی زمین پر بغیر معاوضہ ادا کئے ہوئے نماز پڑھی جائے گی تو نماز مکروہ ہوگی۔

اپنے گھرانہ کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا انصاف

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اجتبا ندوی
صدر شعبہ عربی وفارسی الٰہ آباد یونیورسٹی
(الٰہ آباد)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایک ایسی شہنشاہیت کے وارث ہوئے تھے جس کے علاقوں سے سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان اور اس کے صاجزادگان ولید، ہشام اور سلیمان نے خلافت کی آن بان اور شان میں اتنا رنگ بھر دیا تھا کہ اس کی چمک دمک سے نگاہیں خیرہ ہو جاتی تھیں، شاہی ٹھاٹ باٹ اپنے عروج پر تھا۔ عام اخراجات اور دربار کی آراستگی پر اس قدر سرمایہ خرچ ہوتا تھا کہ جس کی انتہا نہ تھی، خاندان بنی امیہ بہت بڑی جائدادوں خزانوں اور مال و زر کا مالک تھا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی ان ساری شان وشوکت کو چھوڑ کر خلفائے راشدین کی سادگی اختیار کرلی مگر حکومت کا رعب داب، فوجی طاقت اور باوقار انتظامیہ اسی انداز بلکہ اس سے بہتر شکل میں برسرکار رہی اس کے علاوہ باہم کشمکش واختلاف کا ازالہ کیا اور امت میں محبت والفت، تعاون، ہمدردی غمخواری اور احساس ذمہ داری کی لہر دوڑا دی ان کے حسن انتظام اور بیدار مغزی کا ثمرہ یہ تھا کہ سلطنت کے ایک کنارے سے دوسرے کنارہ تک خوشحالی اور آسودگی کا دور دورہ ہو گیا۔ عمر بن اسید کی روایت ہے کہ زکوٰۃ کا مال وصول کیا اور اسے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کرنے کے لیے شہروں اور دیہاتوں میں بھیجا گیا لیکن جوں کا توں واپس آگیا کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ مل سکا عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی حسن تدبیر اور خلوص نیت کے سب کو خوشحال اور بے نیاز بنا دیا تھا۔

بنوامیہ کے سر بر آوردہ حضرات سلطنت کے اعیان اور خدام وحشم خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے باہر نکلنے کے انتظار میں بیٹھے ہیں رعب سے زبانیں خاموش ہیں ہر جانب سنجیدگی و وقار خیمہ زن ہے اتنے میں خلیفہ کے صاجزادہ عبدالعزیز نظر آتے ہیں کچھ لوگ آہستہ سے ان کے والد کے بارے میں دریافت کرتے ہیں جواب ملتا ہے "میرے والد بیعت خلافت کے بعد سے خلوت نشین ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور روتے ہیں اور اپنے تمام خادموں اور باندیوں کو چھٹی دیدی ہے۔ کل رات میری والدہ فاطمہ ان کے خلوت خانہ میں داخل ہوئیں تو دیکھا کہ رو رہے ہیں تو پوچھا کہ کیا کوئی حادثہ ہو گیا ہے کہ رو رہے ہیں، تو فرمایا، فاطمہ! مجھے امت محمدیؐ کے سیاہ وسفید کی ذمہ داری سونپ دی گئی ہے تو میں نے دنیا کے گوشے گوشے کے غریب، بھوکے،، بیمار، پریشان حال، مظلوم و زبردست پردیسی قیدی، بڑے بوڑھے بڑے کنبہ والے تنگ دست اور اس جیسے لوگوں کے بارے میں سوچا تو یقین ہوا کہ میرا رب قیامت کے روز ان کے بارے میں مجھ سے سوال کریگا تو مجھے خوف ہوا کہ کہیں میں جواب نہ دے سکا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔" اسی شب کو گھر سے باہر آئے تو حفاظتی دستہ کے سربراہ خالد سے ملاقات ہوئی وہ انتہائی سخت مزاج اور تند خو تھے خالد سے کہا کہ اب تم اس تلوار سے دست بردار ہو جاؤ پھر فرمایا: اے اللہ میں نے خالد کو تیری خاطر اس جگہ سے الگ کر دیا اب پھر تو اسے یہ جگہ نہ عطا کر" اس کے بعد حفاظتی دستہ کا جائزہ لیا اس میں عمرو بن مہاجر انصاری نظر آئے ان کو آواز دی اور ان سے فرمایا: عمرو تم جانتے ہو کہ میرے اور تمہارے مابین صرف اسلام کا رشتہ ہے اور دوسری کوئی قرابت داری نہیں ہے لیکن میں نے تم کو ایسی جگہ بکثرت تلاوت کلام اور نماز پڑھتے دیکھا ہے جہاں تمہیں یقین تھا کہ کوئی دیکھ نہیں رہا ہے، میں نے تمہیں اچھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور تم انصار سے نسبت رکھتے ہو۔ یہ تلوار سنبھالو میں تمہیں حفاظتی دستہ کا سربراہ مقرر کرتا ہوں حضرت عمر بن عبدالعزیز خلافت کے پہلے دن معمولی کپڑوں میں منصۂ خلافت پر رونق افروز ہوئے، سر جھکا کر خدا کی حمد وثنا کی پھر اپنے اہل خاندان بنوامیہ کو مخاطب کر کے فرمایا: آپ سب کے بڑے بڑے وظیفے مقرر تھے، میرے مال میں اس کے لیے گنجائش نہیں ہے۔ اور اس مال میں آپ کا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ برک الغماد کے آخری سرے پر بسنے والے انسان کا حق ہے، بنوامیہ کے شاہزادگان کو یہ جملہ سن کر شاک پہونچا آپ نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ باغ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس رکھا تھا۔ اس سے بنو ہاشم کے کم عمروں اور بے سہاروں کی پرورش کرتے اور غیر شادی شدہ لڑکیوں اور عورتوں کی شادیوں پر خرچ کرتے تھے، آپؐ کی صاجزادی فاطمہؓ نے اپنے لئے مانگا تو معذرت کر دی حضرت ابوبکر وعمرؓ کے زمانہ میں اس کی نوعیت اسی طرح باقی رہی، لیکن مروان نے اسکو اپنی ملکیت

میں لے لیا، اب یہ عمر بن عبدالعزیزؒ تک پہونچی ہے۔ یہ وہ جائداد ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہؓ کو دینے سے انکار کر دیا تھا تو پھر اس کے لینے کا کوئی حق نہیں ہے؛ میں آپکو گواہ بنا کر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی صورت میں واپس کرتا ہوں۔ اہل مجلس میں سے ایک شخص نے پوچھا امیر المومنین! کیا یہ آپ کا اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے پہلا فیصلہ ہے فرمایا ابھی اس کا تتمہ باقی ہے اور اپنی اہلیہ فاطمہ بنت عبدالملک بن مروان کے پاس گئے، ان کے پاس ان کے والد عبدالملک بن مروان کے عطا کردہ بے شمار جواہرات اور سونے کے زیورات تھے آپ نے اہلیہ کو مخاطب کر کے فرمایا: یا تو تم ان ان جواہرات اور زیوروں کو بیت المال میں جمع کر دو یا مجھے اجازت دو کہ میں تم سے جدائی اختیار کر لوں، میرے لئے یہ بات ناگوار ہے کہ میں تم اور یہ جواہرات ایک گھر میں اکٹھے رہیں" حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا: میں صرف ان جواہرات وزیورات کو نہیں بلکہ اس کے ہزار گنا کو ٹھکرا کر آپ کو منتخب اور پسند کرتی ہوں" گھر سے باہر نکلے تو بنوامیہ کے بڑوں اور اعیان کو اسی طرح منتظر پایا۔ آپ نے بیت المال کے انچارج کو بلوایا اور دریافت کیا کہ مجھ سے پہلے خلفاء کا یومیہ وظیفہ کتنا تھا۔ اس نے جواب دیا دس ہزار درہم، عمر کے چہرہ کا رنگ بدل گیا، آپ نے اہل مجلس سے پوچھا میرے لئے کتنا وظیفہ جائز ہے، لوگوں نے جواب دیا کہ اگر امیر المومنین پسند کریں تو اس کی نصف مقدار، آپ ہنس پڑے اور فرمایا کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میرے گھر کے روزانہ کے اخراجات دو درہم سے زیادہ نہ ہوں۔ اس کے بعد آپ نے حفاظتی دستہ کو طلب کیا ان کی تعداد تین سو تھی اور ان کیلئے حفاظتی پولیس کی تعداد بھی تین سو پر مشتمل تھی۔ ان کی تنخواہ، وظیفہ اور عطیوں کی کوئی حد نہ تھی، آپنے انکو مخاطب کر کے فرمایا کہ دینی اور شرعی رکاوٹوں کی بناء پر میں ان بے حساب اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا ہوں اس لئے تم میں سے جو شخص دس دینار پر راضی ہو وہ میرے ساتھ قیام کرے اور جو چاہے وہ واپس چلا جائے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پہلی ہی نشست میں اپنے گھر، کنبہ، شاہی خاندان اور ارباب سلطنت کے بارے میں منصفانہ فیصلے کئے۔ ان مبارک اقدامات کی خبر سلطنت کے تمام ذمہ داروں تک پہونچی تو انھوں نے بھی خلافت راشدہ کے طرز عمل کو اپنا لیا۔ اور از سر نو اس مبارک عہد کی یاد تازہ ہو گئی جس کے خوشگوار جھونکے اب بھی دنیا کو باغ و بہار بنا دیتے ہیں۔

دل لرزتا ہے ہمارا کیا کہیں کس سے کہیں

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتابگڈھیؒ

چل پڑے احمد نگر میں راہ سے بیگانہ ہم — کس طرح پہونچیں گے آخر تا در جانانہ ہم
نقل سے کیوں ہو رہے ہیں اس قدر بیگانہ ہم — عقل کے پیچھے ہوئے جاتے ہیں کیوں دیوانہ ہم
بھول بیٹھے اللہ اللہ مشرب رندانہ ہم — اپنے ہاتھوں توڑ بیٹھے ساغر و پیمانہ ہم
جا رہے ہیں شوق سے اب جانب بتخانہ ہم — مست ہو کر کہہ رہے ہیں ہو گئے فرزانہ ہم
کس طرح توحید و سنت کا مزہ ہم کو ملے — جب نہیں شمع رسالت کے بنے پروانہ ہم
جام الفت کا مزہ جب ہم نے چکھا ہی نہیں — مکر سے پھر کیوں لگائیں نعرۂ مستانہ ہم
نعمتوں سے ان کی جب ہر آن ہم ہیں مستفیض — کس لئے کرتے نہیں پھر سجدۂ شکرانہ ہم
دل لرزتا ہے ہمارا کیا کہیں کس سے کہیں — ان کی چشم مست سے کیونکر کریں یارانہ ہم

جام الفت کیوں ملے کیونکر ملے کیسے ملے
آہ جاتے ہی نہیں جب جانب میخانہ ہم

❋❋❋❋❋❋

دعائے مغفرت

● جناب ڈاکٹر شبیر صاحب ندوی کے والد محترم جناب مولوی محب اللہ صاحب (قادر آباد سدھارتھ نگر) کا مورخہ ۳ نومبر ۲۰۰۳ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب انتقال ہو گیا۔ عمر تقریباً ۸۰ سال تھی۔ مرحوم اسم بامسمیٰ نیک طبیعت متقی و پرہیزگار شخص تھے۔ علمائے دیوبند سے عقیدت رکھتے تھے۔ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت وارادت کا تعلق تھا۔

عمر کا بڑا حصہ درس وتدریس میں گذرا جس میں ان کو خصوصی مہارت تھی۔ اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

سفرِ قادیان

(٢)

مولانا محبوب الرحمٰن ازہری

١٩٧٤ء کے حج کے بعد سے رابطہ عالم اسلامی میں قادیانیت پر بحث ہوتی رہی اور کلکتہ میں قادیانیوں کے خلاف ایک لہر دوڑ گئی، بعض قادیانی تو یہیں سے ہی پاکستان چلے گئے اور بعض نے اپنے گھروں میں عافیت سمجھی چند اذیت قسم کے نئے انھوں نے کہنا شروع کیا۔ "سنت پر عمل ہوگیا" اور مختلف جگہوں پر جلسے ہونے لگے۔ مولانا محمد اسمٰعیل کٹکی مناظر قادیانیت کو طلب کیا جانے لگا اور میرا بھی اکثر جلسوں میں جانے کا اتفاق ہوا میں اس وقت ہرنیا کا مریض تھا اور باوجود علالت کے مجھے جلسہ میں شرکت کے لیے مجبور کیا جاتا تھا ایسے ہی ایک جلسہ میں شرکت کی اور جلسہ سے قبل میں نے مقامی مدرسوں وغیرہ کو متوجہ کیا کہ اس قسم کے جلسوں سے فائدہ کم ہوتا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ مقامی لوگ قادیانیت سے واقفیت حاصل کریں اور ہر وقت جواب دینے کے لیے تیار رہیں۔ کلکتہ میں اس سے قبل بھی مولانا لعل حسین اختر کو بلایا گیا تھا اور ان کے دو مہینے قیام کے دوران قادیانی مبلغ حضرات کلکتہ کے باہر چلے گئے اور کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوسکا اس کے بعد قادیانی پھر سرگرم ہوگئے اور عوام میں سوالات، شکوک و شبہات کی بھرمار کردی۔ میں نے مولانا لعل حسین اختر سے (جن کا قیام ہماری ہی بلڈنگ میں تھا) یہ استفادہ ضرور کیا کہ مرزا کی کتابوں کا چیدہ چیدہ مطالعہ کیا کیونکہ اس کی کتاب پڑھنے کے لیے کافی صبر و برداشت سے کام لینا پڑتا ہے تھوڑے بہت مطالعے ہی سے "میری" پرانی رائے کہ مسلمانوں کے ۷۲ فرقوں میں سے یہ بھی ایک فرقہ ہے" بدلنا پڑی اور اسلام دشمنی کی بو مجھے محسوس ہوئی۔ اسی لیے میرا خیال تھا کہ مقامی لوگ قادیانیت سے واقفیت حاصل کریں اسی مجلس میں ایک نو قادیانی بنگالی مجھ سے سوال کرنے پہونچ گیا۔ اس نے آکر مجھ سے تین سوال کیے کہ ان کا جواب قرآن و حدیث سے دو، ایک تو معراج کے جسمانی ہونے کا ثبوت دوسرے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کا ثبوت اور تیسرا مجھے یاد نہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ عربی جانتے ہو قرآن و حدیث تو عربی میں ہے؟ اس نے کہا نہیں، تو پھر میں کوئی بھی آیت پڑھ کر جو ترجمہ کردوں گا اس کو مان لوگے؟ کہنے لگا میں اپنے مولوی سے اس کی تحقیق کروں گا۔ اور دوبارہ میں کوئی دوسری آیت پڑھ دوں گا تو پھر؟ میں دوبارہ اپنے مولوی کے پاس جاؤں گا اس طرح کب تک چکر کاٹوگے؟ وہ خاموش ہوا تو میں نے کہا کہ دیکھو تمہاری زبان بنگالی ہے اور مرزا کی زبان پنجابی ہے لیکن تم دونوں کے درمیان اردو ایسی زبان ہے جس کو دونوں جانتے ہیں تو پھر میں تم کو مرزا کی اردو کتاب سے ہی کیوں نہ حوالہ دے دوں جس کو تم خود بھی سمجھ لوگے، اس نے کہا یہی بہتر ہے۔ مرزا نے کہا ہے کہ "مردے زندوں سے نہیں ملتے" اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے مرزا جی کا یہ کہنا کہ "میں نے اس کو بارہا دیکھا ہے ایک بار میں نے اور مسیح نے ایک ہی پیالہ میں گائے کا گوشت کھایا تھا" (تذکرہ ص ٢٠٣) سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام زندہ ہیں ورنہ ماننا پڑے گا کہ مرزا جی مرگئے تھے۔ یہ سن کر وہ اٹھ کر بھاگ گیا کہ پھر آؤں گا۔

پہلے تو قادیانیوں نے مجھے ایذا رسانی کی کوشش کی جس میں ناکامی کے بعد مجھ سے گفتگو کی کوشش کی۔ ہمارے جاننے والے ایک پڑوسی کے ذریعہ ملاقات کا وقت مقرر کیا کہ تین آدمی ملاقات چاہتے ہیں۔ میں تیار ہوگیا اور میں نے اپنے ہمراہ مولانا معصومی صاحب کو شریک کیا۔ وقت مقررہ پر تین متعین اشخاص میں سے دو آئے اور ایک نیا شخص (جو اپنی بکواس سے مجھ سے خاموش ہوکر نکل گیا تھا) شریک گفتگو ہوا۔ مجلس شروع ہوئی اور سربراہ نے میری تعریف شروع کی میں نے اس سے کہا کہ میں اپنے کو اچھی طرح جانتا ہوں اس میں وقت ضائع نہ کریں اصل مقصد پر گفتگو کریں انھوں نے کہا کہ ہمارے کچھ شبہات ہیں جن کی توضیح چاہتے ہیں اور اپنے تیسرے شخص سے کہا کہ آپ سوال کیجیے۔ انھوں نے آل عمران کی آیت (٨١) "واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین" اور احزاب کی آیت (٧) "واذ اخذنا من النبیین میثاقھم" پڑھی اور اس کا ترجمہ الٹا سیدھا کیا۔ میں بالکل خاموش رہا۔ تھوڑی دیر ان کے بولنے کے بعد میں نے سربراہ کو مخاطب کیا کہ آپ لوگوں کا قرآن کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟ ہم قرآن پر کلام اللہ ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اپنے سینوں میں اس کو محفوظ رکھتے ہیں وہ ہمارے دل و دماغ سے کہیں بلند و بالا ہے جاہلوں کو اس میں بولنے کا کوئی حق نہیں اور اگر جاہل کچھ کہتے ہیں تو اس کو ہم استہزاء بالقرآن یا اہانت کلام اللہ سمجھتے ہیں جو عربی سے واقف نہ ہوں ان کو قرآنی الفاظ پر کچھ کہنے کی جرأت ہم برداشت نہیں کرسکتے، کسی پڑھے لکھے سے ہم گفتگو کرسکتے ہیں اس پر سائل کو غصہ آگیا اور اول فول بکنے لگا مجلس میں اچھی خاصی ہنگامی شکل پیدا ہوگئی اور موذن نے بروقت عشاء کی اذان دے دی، ہم دوبارہ ملنے کا وعدہ کرکے نماز کے لیے رخصت ہوگئے دراصل اس شخص کا غصہ اور اس کی حرکتیں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں اور دونوں نے اپنی ہنسی کو روکنے کی پوری کوشش کی اور اس منظر

سے کافی محظوظ ہوئے۔ وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رخصت ہوگئے۔ دو تین ہفتے بعد دوبارہ سربراہ کا پیغام آیا کہ ملاقات چاہتے ہیں میں نے آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ میں صریح آدمی ہوں اور صراحت پسند کرتا ہوں وہ صاف بتائیں کہ کون آئے گا؟ بعد میں کسی دوسرے کو لائیں گے تو میرا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ میں خود ملاقات کرنے کے بجائے کسی گدھے کو سامنے کردوں گا کہ اس سے بات کریں میرے اس جملے نے ان کے حوصلے ختم کردیے۔

ان حالات کا یہ اثر ہوا کہ مجھے قادیانیوں کی اصل کتابیں ملنے لگیں اور بدر کا پرچہ بھی اکثر مجھ تک پہونچنے لگا جس سے میری معلومات میں کافی اضافہ ہوا۔ اور میں مرزا کا مستقل مدمقابل بن گیا۔

١٩٧٦ء میں دوبارہ آٹھ قادیانیوں نے حج کے فارم بھرے اور اس طرح کہ نام اور پتہ تبدیل کرالیا اور ہمیں خبر نہ ہونے دی حج کے قریب جب جانے کا وقت ہوا تو راز کھلا اور کلکتہ والوں نے دوبارہ مجھے بمبئی بھیجنے کا ارادہ کیا میں باوجود اپنی علالت کے سفر کرنے پر مجبور ہوگیا۔ بمبئی پہونچ کر مجھے معلوم ہوا کہ سعودی ویزا آفیسر سے ملاقات مشکل ہے بہرحال میں براہ راست اس تک پہونچا اور مجھے کافی اطمینان سے گفتگو کا موقع ملا اس مرتبہ شاذلی نام کے عربی شخص تھے کافی دیر تک گفتگو جاری رہی شاذلی صاحب نے کہا "جو نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں وہ اگر حج کے لیے جانا چاہیں تو ان کو کیوں روکا جائے؟ میں نے جواباً عرض کیا کہ اعمال صالحہ کے لیے ایمان شرط ہے اگر کوئی شخص بغیر ایمان کے نماز روزہ کرتا ہے تو کیا اس کو عمل صالح کہا جائے گا؟۔ مگر ایمان تو دل سے تعلق رکھتا ہے، میں نے کہا صحیح ہے لیکن اس کے کچھ مظاہر تو ضرور ہوتے ہیں اس نے کہا کہ داڑھی رکھتے ہیں شیروانی پہنتے ہیں اس سے زیادہ اور کیا؟ میں نے جواب دیا اگر سنت پر عمل کرنے کی بات ہوتی تو آپ کا جواب ٹھیک تھا بات تو ایمان کی ہے۔ اس کے لیے "قل هو اللّٰه احد اللّٰه الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد" کم سے کم ہونا چاہیے اس نے کہا یہ تو کم سے کم ہے۔ میں نے کہا جو شخص یہ کہے "حضرت مسیح موعود نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی قوت کا اظہار فرمایا" وغیرہ۔ (اسلامی قربانی مصنفہ قاضی یار محمد صاحب قادیانی مطبوعہ ریاض الہند امرتسر)۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے وہ مسلمان ہے؟ نہیں، تو پھر انسان ہے؟ نہیں۔ تو پھر حیوان ہے؟ نہیں۔ تو کیا ابلیس ہے؟ نہیں ابلیس نے صرف نافرمانی کی تھی خدا پر تہمت نہیں لگائی اس کے لیے لغت میں کوئی لفظ موجود نہیں جس سے تعبیر کیا جائے۔

اس درمیان ہم لوگ ان کی شناخت اور نشاندہی پر بھی گفتگو کرتے رہے اور میرے پاس کوئی ٹھوس ثبوت ان کی شناخت کا نہیں تھا اس لیے وہ فکرمند ہوئے۔ میں اٹھنے لگا تو انہوں نے کہا ایک اور بتا دیجیے مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ اس سے قبل بھی اسی سلسلے میں آئے تھے آپ کا مقصد کیا ہے؟ یا آپ کیا چاہتے ہیں؟۔ اس کے جواب میں قرآن کی دو آیتوں کے ٹکڑے ہیں۔ پہلا "وان الشيطين ليوحون إلى أوليائهم ليجادلوكم وان أطعتموهم انكم لمشركون"۔ خطاب ابتدائی طور پر صحابہ سے ہے اگر ان کو کہا جائے "انکم لمشرکون" بالتاکید تو پھر بچا کہاں ہے؟ اس نے تصدیق کی اس کے بعد دوسری آیت "یاایھا الذین آمنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا"۔ خطاب کسی بادشاہ کو نہیں کسی زعیم کو نہیں بلکہ الذین آمنوا کو ہے، میں سمجھتا ہوں کہ میں الذین آمنوا میں ہوں تو خطاب مجھ کو ہے اور اسی حکم کے امتثال میں اپنی آخری حد کو پہونچ چکا ہوں آگے آپ کو اختیار ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مجھ سے اسی آیت کے بارے میں سوال نہ کریں گے کہ تو نے کیا کیا؟ اس شخص پر لرزہ سا طاری ہوگیا اور کچھ توقف کے بعد اس نے کہا بیشک قیامت کے دن گواہی دینا ہوگی کہ آپ نے پورا عمل کیا اب ہمارے لیے دعا کیجیے کہ ہمیں بھی توفیق ہو کہ عمل کریں میں نے کہا دعا اور جو کچھ بھی ہوسکے گا میں ان شاء اللہ کروں گا۔

میرے پیچھے ایک ٹیم قادیانی لگے ہوئے تھے جو مجھ سے ملتے رہتے تھے اور پوچھتے رہتے تھے کہ کیا ہوا؟ میں نے بھی ظاہر کیا تھا کہ میں حج کے لیے جانے کی کوشش کررہا ہوں۔ اتفاق سے ویزا آفس سے نکلنے کے بعد وہ مجھے مل گئے اور انھوں نے وہی سوال دہرایا کہ آپ کا کیا ہوا؟ میں نے نہ جانے کہا کہ مایوسی ہے اور کوئی راستہ نہیں وہ کہنے لگے "آپ ضرور جاویں گے"۔ میں نے ان سے کہا کہ میں اپنی دانست میں اپنے وسائل استعمال کرچکا اور نفی میں جواب مل چکا ہے انھوں نے پھر کہا آپ ضرور جاویں گے میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں؟ وہ بولے "آٹھ قادیانی جو جارہے تھے ان کا کینسل ہو جائے گا اور آپ ان کی جگہ چلے جاویں گے" میں نے ان سے کہا کہ ایک تو قادیانیوں کے نہ جانے سے بھی مجھے سیٹ نہ ملے گی اس لیے کہ میرا نام ویٹنگ لسٹ میں بھی نہیں ہے لیکن یہ آپ نے کیا کہا کہ وہ نہیں جاویں گے؟ انھوں نے اصرار کیا کہ وہ نہیں جاویں گے میں نے ان سے کہا کہ جب آپ سب جانتے ہیں تو میں آپ کو حقیقت بتا دوں اس مرتبہ میں قادیانیوں کو روکنے کے لیے بمبئی نہیں آیا تھا بلکہ ان کو روانہ کرنے آیا تھا۔ وہ بڑے لوگ ہیں لاکھوں ہی خرچ کرسکتے ہیں میں متوسط آدمی ہوں ملازمت کرتا ہوں اور زندگی گزارتا ہوں ہر سال دو سال پر وہ ارادہ کرتے ہیں مجھے چھٹی لینا پڑتی ہے اور وقت ضائع ہوتا ہے پھر سفر خرچ میرے لیے ناقابل برداشت ہے اس لیے میں نے اس مرتبہ یہ سوچا کہ یہ لوگ جاویں اور میں نے یہاں کے چند دن کے قیام میں صرف ایک کام کیا ہے کہ حاجیوں سے ملاقات کی اور اتفاق سے مجھے چالیس حاجی جانے والے مل گئے میں نے ان کو سبق پڑھا دیا

(باقی ص ٢٧ پر)

سفرِ قادیان

مولانا مجیب الرحمٰن ازہری

(۲)

۱۹۶۵ء کے حج کے بعد سے رابطہ عالم اسلامی میں قادیانیت پر بحث ہوتی رہی اور کلکتہ میں قادیانیوں کے خلاف ایک لہر دوڑ گئی۔ بعض قادیانی تو بمبئی سے ہی پاکستان چلے گئے اور بعض نے اپنے گھروں میں عافیت سمجھی جو ذرا ڈھیٹ قسم کے تھے انھوں نے کہنا شروع کیا۔ "سنت پر عمل ہوگیا" اور مختلف جگہوں پر جلسے ہونے لگے۔ مولانا محمد اسمٰعیل کٹکی مناظر قادیانیت کو طلب کیا جانے لگا اور میرا بھی اکثر جلسوں میں جانے کا اتفاق ہوا میں اس وقت ہرنیا کا مریض تھا اور باوجود علالت کے مجھے جلسہ میں شرکت کے لیے مجبور کیا جاتا تھا ایسے ہی ایک جلسہ میں شرکت کی اور جلسہ سے قبل میں نے مقامی مدرسوں وغیرہ کو متوجہ کیا کہ اس قسم کے جلسوں سے فائدہ کم ہوتا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ مقامی لوگ قادیانیت سے واقفیت حاصل کریں اور ہر وقت جواب دینے کے لیے تیار رہیں۔ کلکتہ میں اس سے قبل بھی مولانا لعل حسین اختر کو بلایا گیا تھا اور ان کے دو مہینے قیام کے دوران قادیانی مبلغ حضرت کلکتہ کے باہر چلے گئے اور کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوسکا اس کے بعد قادیانی پھر سرگرم ہوگئے اور عوام میں سوالات، شکوک و شبہات کی بھرمار کردی۔ میں نے مولانا لعل حسین اختر سے (جن کا قیام ہماری ہی بلڈنگ میں تھا) بہ استفادہ ضرور کیا مرزا کی کتابوں کا چیدہ چیدہ مطالعہ کیا کیونکہ اس کی کتب پڑھنے کے لیے کافی صبر و برداشت سے کام لینا پڑتا ہے تھوڑے بہت مطالعے سے ہی میری "پرانی رائے کہ مسلمانوں کے بہتر (۷۲) فرقوں میں سے یہ بھی ایک فرقہ ہے" بدلنا پڑی اور اسلام دشمنی کی بو مجھے محسوس ہوئی۔ اسی لیے میرا خیال تھا کہ مقامی لوگ قادیانیت سے واقفیت حاصل کریں اسی مجلس میں ایک نو قادیانی بنگالی مجھ سے سوال کرنے پہونچ گیا۔ اس نے آکر مجھ سے تین سوال کیے کہ ان کا جواب قرآن و حدیث سے دوں ایک تو معراج کے جسمانی ہونے کا ثبوت دوسرے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کا ثبوت اور تیسرا مجھے یاد نہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ عربی جانتے ہو قرآن و حدیث تو عربی میں ہے؟ اس نے کہا نہیں، تو پھر میں کوئی بھی آیت پڑھ کر جو ترجمہ کردوں گا اس کو مان لوگے؟ کہنے لگا میں اپنے مولوی سے اس کی تحقیق کروں گا۔ اور دوبارہ میں کوئی دوسری آیت پڑھ دوں گا تو پھر؟ میں دوبارہ اپنے مولوی کے پاس جاؤں گا اس طرح کب تک چکر کاٹوگے؟ وہ خاموش ہوا تو میں نے کہا کہ دیکھو تمہاری زبان بنگالی ہے اور مرزا کی زبان پنجابی ہے لیکن تم دونوں کے درمیان اردو ایسی زبان ہے جس کو دونوں جانتے ہیں تو پھر میں تم کو مرزا کی اردو کتاب سے ہی کیوں نہ حوالہ دے دوں جس کو تم خود یہاں سمجھ لوگے، اس نے کہا یہی بہتر ہے۔ مرزا نے کہا ہے کہ "مردے زندوں سے نہیں ملتے" اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے مرزا جی کا یہ کہنا کہ "میں نے اس کو بار ہا دیکھا ہے ایک بار میں نے اور مسیح نے ایک ہی پیالہ میں گائے کا گوشت کھایا تھا" (تذکرہ ص ۳۲) سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام زندہ ہیں ورنہ ماننا پڑے گا کہ مرزا جی مرگئے تھے۔ یہ سن کر وہ اٹھ کر بھاگ گیا کہ پھر آؤں گا۔

پہلے تو قادیانیوں نے مجھے ایذا رسانی کی کوشش کی جس میں ناکامی کے بعد مجھ سے گفتگو کی کوشش کی ہمارے جاننے والے ایک پڑوسی کے ذریعہ ملاقات کا وقت مقرر کیا کہ تین آدمی ملاقات چاہتے ہیں۔ میں تیار ہوگیا اور میں نے اپنے ہمراہ مولانا معصومی صاحب کو شریک کیا۔ وقت مقررہ پر تین متعین اشخاص میں سے دو آئے اور ایک نیا شخص (جو اپنی بکواس سے مجھ سے خاموش ہوکر نکل گیا تھا) شریک گفتگو ہوا۔ مجلس شروع ہوئی اور سربراہ نے میری تعریف شروع کی میں نے اس سے کہا کہ میں اپنے کو اچھی طرح جانتا ہوں اس میں وقت ضائع نہ کریں اصل مقصد پر گفتگو کریں انھوں نے کہا کہ ہمارے کچھ شبہات ہیں جن کی توضیح چاہتے ہیں اور اپنے تیسرے شخص سے کہا کہ آپ سوال کیجئے۔ انھوں نے آل عمران کی آیت (۸۱) "و اذ اخذ اللہ میثاق النبیین" اور احزاب کی آیت (۷) "و اذ اخذنا من النبیین میثاقھم" پڑھی اور اس کا ترجمہ الٹا سیدھا کیا۔ میں بالکل خاموش رہا۔ تھوڑی دیر ان کے بولنے کے بعد میں نے سربراہ کو مخاطب کیا کہ آپ لوگوں کا قرآن کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟ ہم قرآن پر کلام اللہ ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اپنے سینوں میں اس کو محفوظ رکھتے ہیں وہ ہمارے دل و دماغ سے کہیں بلند و بالا ہے جاہلوں کو اس میں بولنے کا کوئی حق نہیں اور اگر جاہل کچھ کہتے ہیں تو اس کو ہم استہزاء بالقرآن یا اہانت کلام اللہ سمجھتے ہیں جو عربی سے واقف نہ ہوں ان کو قرآنی الفاظ پر کچھ کہنے کی جرأت ہم برداشت نہیں کرسکتے، کسی پڑھے لکھے سے ہم گفتگو کرسکتے ہیں اس پر سائل کو غصہ آگیا اور اول فول بکنے لگا مجلس میں اچھی خاصی ہنگامی شکل پیدا ہوگئی اور موذن نے بروقت عشاء کی اذان دے دی، ہم دوبارہ ملنے کا وعدہ کرکے نماز کے لیے رخصت ہوگئے دراصل اس شخص کا غصہ اور اس کی حرکتیں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں اور دونوں نے اپنی ہنسی کو روکنے کی پوری کوشش کی اور اس منظر

سے کافی محظوظ ہوئے۔ وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رخصت ہوگئے۔ دو تین ہفتے بعد دوبارہ سربراہ کا پیغام آیا کہ ملاقات چاہتے ہیں میں نے آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ میں صریح آدمی ہوں اور صراحت پسند کرتا ہوں وہ صاف بتائیں کہ کون آئے گا؟ بعد میں کسی دوسرے کو لائیں گے تو میرا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ میں خود ملاقات کرنے کے بجائے کسی گدھے کو سامنے کردوں گا کہ اس سے بات کریں میرے اس جملے نے ان کے حوصلے ختم کردیئے۔

ان حالات کا یہ اثر ہوا کہ مجھے قادیانیوں کی اصل کتابیں ملنے لگیں اور بدر کا پرچہ بھی اکثر مجھ تک پہونچنے لگا جس سے میری معلومات میں کافی اضافہ ہوا۔ اور میں مرزا کا مستقل مدمقابل بن گیا۔

۱۹۶۶ء میں دوبارہ آٹھ قادیانیوں نے حج کے فارم بھر دیے اور اس طرح کہ نام اور پتہ تبدیل کرالیا اور ہمیں خبر نہ ہونے دی حج کے قریب جب جانے کا وقت ہوا تو راز کھلا اور کلکتہ والوں نے دوبارہ مجھے بھی بھیجنے کا ارادہ کیا میں باوجود اپنی علالت کے سفر کرنے پر مجبور ہوگیا۔ بمبئی پہونچ کر مجھے معلوم ہوا کہ سعودی ویزا آفیسر سے ملاقات مشکل ہے بہرحال میں براہ راست اس تک پہونچا اور مجھے کافی اطمینان سے گفتگو کا موقع ملا اس مرتبہ شاذلی نام کے عربی شخص تھے کافی دیر تک گفتگو جاری رہی شاذلی صاحب نے کہا "جو نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں وہ اگر حج کے لیے جانا چاہیں تو ان کو کیوں روکا جائے؟ میں نے جواباً عرض کیا کہ اعمال صالحہ کے لیے ایمان شرط ہے اگر کوئی شخص بغیر ایمان کے نماز روزہ کرتا ہے تو کیا اس کو عمل صالح کہا جائے گا؟ مگر ایمان تو دل سے تعلق رکھتا ہے، میں نے کہا صحیح ہے لیکن اس کے کچھ مظاہر تو ضرور ہوتے ہیں اس نے کہا کہ داڑھی رکھتے ہیں شیروانی پہنتے ہیں اس سے زیادہ اور کیا؟ میں نے جواب دیا اگر سنت پر عمل کرنے کی بات ہوتی تو آپ کا جواب ٹھیک تھا بات تو ایمان کی ہے۔ اس کے لیے "قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد" کم سے کم ہونا چاہئے اس نے کہا یہ تو کم سے کم ہے۔ میں نے کہا جو شخص یہ کہے "حضرت مسیح موعود نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی قوت کا اظہار فرمایا" وغیرہ۔ (اسلامی قربانی مصنفہ قاضی یار محمد صاحب قادیانی مطبوعہ ریاض الہند امرتسر)۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے وہ مسلمان ہے؟ نہیں، تو پھر انسان ہے؟ نہیں۔ تو پھر حیوان ہے؟ نہیں۔ تو کیا ابلیس ہے؟ نہیں ابلیس نے صرف نافرمانی کی تھی خدا پر تہمت نہیں لگائی اس کے لیے لغت میں کوئی لفظ موجود نہیں جس سے تعبیر کیا جائے۔

اس درمیان ہم لوگ ان کی شناخت اور نشاندہی پر بھی گفتگو کرتے رہے اور میرے پاس کوئی ٹھوس ثبوت ان کی شناخت کا نہیں تھا اس لیے وہ فکرمند ہوئے۔ میں اٹھنے لگا تو انھوں نے کہا ایک اور بتا دیجئے مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ اس سے قبل بھی اسی سلسلے میں آئے تھے آپ کا مقصد کیا ہے؟ یا آپ کیا چاہتے ہیں؟۔ اس کے جواب میں قرآن کی دو آیتوں کے ٹکڑے ہیں۔ پہلا "وان الشیطین لیوحون الی اولیائھم لیجادلوکم وان اطعتموھم انکم لمشرکون"۔ خطاب ابتدائی طور پر صحابہ سے ہے اگر ان کو کہا جائے "انکم لمشرکون" بالتاکید تو پھر ہمارا کہاں؟ اس نے تصدیق کی اس کے بعد دوسری آیت "یاایھا الذین آمنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا"۔ خطاب کسی بادشاہ کو نہیں کسی زعیم کو نہیں بلکہ الذین آمنوا کو ہے، میں سمجھتا ہوں کہ میں الذین آمنوا میں ہوں تو خطاب مجھ کو ہے اور اسی حکم کے امتثال میں اپنی آخری حد کو پہونچ چکا ہوں آگے آپ کو اختیار ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مجھ سے اسی آیت کے بارے میں سوال نہ کریں گے کہ تو نے کیا کیا؟ اس شخص پر لرزہ سا طاری ہوگیا اور کچھ توقف کے بعد اس نے کہا بیشک قیامت کے دن گواہی دینا ہوگی کہ آپ نے پورا عمل کیا اب ہمارے لیے دعا کیجئے کہ ہمیں بھی توفیق ہو کہ عمل کریں میں نے کہا دعا اور جو کچھ بھی ہوسکے گا میں ان شاء اللہ کردوں گا۔

میرے پیچھے ایک نیم قادیانی لگے ہوئے تھے جو مجھ سے ملتے رہتے تھے اور پوچھتے رہتے تھے کہ کیا ہوا؟ میں نے بھی ظاہر کیا تھا کہ میں حج کے لیے جانے کی کوشش کررہا ہوں۔ اتفاق سے ویزا آفس سے نکلنے کے بعد وہ مجھے مل گئے اور انھوں نے وہی سوال دہرایا کہ آپ کا کیا ہوا؟ میں نے نہ بتا کر کہا کہ مایوسی ہے اور کوئی راستہ نہیں۔ وہ کہنے لگے "آپ ضرور جاویں گے" میں نے ان سے کہا کہ میں اپنی دانست میں اپنے وسائل استعمال کرچکا اور نفی میں جواب مل چکا ہے انھوں نے پھر کہا آپ ضرور جاویں گے میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں؟ وہ بولے "آٹھ قادیانی جو جارہے تھے ان کا کینسل ہوجائے گا اور آپ ان کی جگہ چلے جاویں گے" میں نے ان سے کہا کہ ایک تو قادیانیوں کے نہ جانے سے بھی مجھے سیٹ نہ ملے گی اس لیے کہ میرا نام ویٹنگ لسٹ میں بھی نہیں ہے لیکن یہ آپ نے کیا کہا کہ وہ نہیں جاویں گے؟ انھوں نے اصرار کیا کہ وہ نہیں جاویں گے میں نے ان سے کہا کہ جب آپ یہ سب جانتے ہیں تو میں آپ کو حقیقت بتادوں اس مرتبہ میں قادیانیوں کو روکنے کے لیے بمبئی نہیں آیا تھا بلکہ ان کو روانہ کرنے آیا تھا۔ وہ بڑے لوگ ہیں پیسہ ہی خرچ کرسکتے ہیں میں متوسط آدمی ہوں ملازمت کرتا ہوں اور زندگی گزارتا ہوں ہر سال دو سال پر وہ ارادہ کرتے ہیں مجھے چھٹی لینا پڑتی ہے اور وقت ضائع ہوتا ہے پھر سفر خرچ میرے لیے ناقابل برداشت ہے اس لیے میں نے اس مرتبہ یہ سوچا کہ یہ لوگ چلے جائیں اور میں نے یہاں کے چند دن کے قیام میں صرف ایک کام کیا ہے کہ حاجیوں سے ملاقات کی اور اتفاق سے مجھے چالیس حاجی جاننے والے مل گئے میں نے ان کو سبق پڑھا دیا

(باقی ص ۴۸ پر)

(ساتویں قسط)

مغربی میڈیا اور اس کے اثرات

نذر الحفیظ ندوی ازہری

مسیحی معاشرہ کی تباہی میں یہودی میڈیا کا رول:

قرآن کریم اور تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی انعامات سے نوازا تھا، لیکن انھوں نے ان نعمتوں کی ناقدری کی تو انسانی قیادت و رہنمائی کی باگ ڈور ان سے چھین لی گئی اس قوم نے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو قتل کیا کتاب الٰہی میں تحریف کی، ان گھناؤنے جرائم کے نتیجہ میں ان کو مختلف امراض میں مبتلا کر دیا گیا، یہی امراض الخ یہودیوں کی قومی خصوصیات بن گئے، جیسے بزدلی، مجرمانہ ذہن اور قساوت قلبی، ناشکری، کذب و بہتان تراشی مکر و فریب اور دھوکہ دہی، مال کی پرستش اور حرام خوری، عہد شکنی اور خیانت، تکبر و غرور، فسق و فجور و بے حیائی، سود خواری اور ذلت و رسوائی۔

ان بدنما داغوں کو دھونے کے لیے یہودیوں نے پہلا نشانہ مسیحیوں کو پھر مسلمانوں کو، اس کے بعد ساری انسانیت کو بنایا۔

تلمود یہودیوں کی معتبر کتاب ہے جس کے مطالعہ سے ان کی انسانیت دشمنی اور مسخ فطرت کا اندازہ ہوتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور رسولوں کے متعلق یہودیوں کے جو عقائد و خیالات ہیں ان کو تحریر میں لانے سے انسانیت کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے، زمین کے شق ہونے اور آسمان کے پھٹ پڑنے کا اندیشہ ہونے لگتا ہے۔ اس مختصر مقالہ میں اس کی گنجائش نہیں اور نہ ہی ہمارا یہ موضوع ہے ہم تو اختصار کے ساتھ اس بات کی طرف اشارے کریں گے کہ مغربی یا مسیحی معاشرہ کی تباہی و بربادی کے اسباب و محرکات کیا ہیں۔ اور اس معاملہ میں یہودیوں کو کتنی غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی ہے اور اس تباہی و بربادی کے اثرات اسلامی معاشرہ تک کس حد تک پہونچے اور کیسے بھیانک نتائج سامنے آئے۔

مسیحیوں کے متعلق یہودیوں کے عقائد و عزائم

مسیحیوں سے یہودیوں کی دشمنی اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود یہ مذاہب۔ یہودیوں پر یہ الزام لگایا جاتا رہا ہے کہ انھوں نے ہی حضرت مسیح کو تختۂ دار تک پہونچایا ہے یہودی پیشانی پر لگے اس بدنما داغ کو بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں پاپائے روم نے یہودیوں کے غیر معمولی دباؤ پر ہمیشہ کے لیے دھو دینے کا اعلان کر دیا اور انھیں اس جرم سے بری قرار دیا، لیکن مسیحیوں کے متعلق یہودی عقائد بدستور وہی ہیں جو ان کی کتابوں میں موجود ہیں اور جن کی تنفیذ کو اس قوم نے اپنا بنیادی نصب العین بنا رکھا ہے۔

یہودی تلمود سے چند اقتباسات مسیحیوں کے متعلق ملاحظہ فرمائیے:

- ہر یہودی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دن میں تین بار مسیحیوں پر لعنت بھیجے اور یہ دعا مانگے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسیحیوں کو نیست و نابود کر دے۔
- ہم تمام یہودیوں کا یہ بنیادی فرض ہے کہ مسیحی ذہنوں سے اللہ کا خیال نکال دیں۔
- مسیحیوں کا قتل یہودیوں کے بنیادی فرائض میں سے ہے۔ اگر یہودی مسیحی کو قتل نہ کر سکے تو ان کے قتل کا سامان مہیا کرے یا پھر ان کی بربادی کے اسباب فراہم کرے۔
- مسیحیوں کا قتل ان فرائض میں سے ایک ہے جن کی تنفیذ ہر یہودی پر واجب ہے۔
- مسیحیوں کا قتل ان کارناموں میں سے ایک ہے جن پر یہودی قاتل کو اللہ تعالیٰ بھرپور بدلہ عطا فرمائے گا۔
- مسیحیوں نے ارتداد اختیار کر لیا تھا۔ اگر وہ یہودی مذہب اختیار نہیں کرتے تو وہ اللہ اور یہود کے دشمن ہیں۔
- مسیحیوں کے ساتھ کسی عہد کی پابندی کسی یہودی کے لیے قطعاً ضروری نہیں۔
- مسیحی گرجا گھر غلاظت کا مرکز اور ان گرجا گھروں کے واعظ مسیحی پادری کی حیثیت بھونکنے والے کتوں کی طرح ہے۔
- یہودیوں کو چاہیے کہ وہ مسیحیوں کے ساتھ بے عقل اور رذیل جانوروں جیسا معاملہ کریں۔
- مسیحی گرجا گھر گمراہوں کا مرکز اور بت پرستی کا اڈہ ہیں، ان کا تباہ کرنا ہر یہودی کا بنیادی فرض ہے۔
- یہودیوں کے لیے جھوٹی قسمیں کھانا اور گواہی دینا جائز ہے تاکہ وہ غیر یہودیوں کو نقصان پہونچا سکیں

- یہودی اللہ کی منتخب قوم ہے، غیر یہودی جانوروں سے بدتر ہیں۔
- ہم یہودیوں کو اللہ تعالیٰ نے خدمت کے لیے دو طرح کے جانور عطا کیے ہیں، ایک تو گدھے، کتے، خنزیر، مختلف قسم کے پرندے، دوسرے مسیحی، مسلمان اور بدھسٹ وغیرہ۔
- انسان اور جانوروں میں جو فرق ہے وہی یہودی اور غیر یہودی کے درمیان ہے۔
- غیر یہودی کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہیں۔ یہودی کے سامنے اگر بھوکے کتے اور غیر یہودی بیٹھے ہوں تو کتوں کو کھلانا افضل ہے۔

یہ ہے خلاصہ ان عقائد کا جو یہودی مسیحیوں کے متعلق رکھتے ہیں، ان عقائد کی تنفیذ کو یہودیوں نے اپنا نصب العین بنا لیا تاکہ ایک طرف تو اپنے مجرمانہ کردار اور بدنما چہرے پر دبیز پردہ ڈال سکیں، دوسری طرف پوری انسانیت سے انتقام لے سکیں، انھوں نے پہلا نشانہ مسیحیوں کو بنایا کہ انجیل کی تحریف بلکہ پورے مسیحی ڈھانچے کو یکسر تبدیل کرنے اور پوری مسیحیت کا رخ متضاد سمت میں موڑنے کا کارنامہ یہودیوں ہی نے انجام دیا تھا، اسلام کی آمد نے کسی حد تک مسیحیوں کو مذہب کی طرف مائل کیا تھا، لیکن کلیسا و سائنس کی کشمکش میں تحریف شدہ مسیحی مذہب کی شکست سے مسیحی معاشرہ کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا، رہی سہی کسر ڈارون اور فرائڈ نے پوری کر دی، مسیحی تابوت میں آخری کیل کارل مارکس نے ٹھونک دی، ان تینوں یہودی شاطروں کے افکار کی تشریح و تطبیق کو یہودی میڈیا نے اپنا بنیادی نصب العین قرار دیا۔ یہودیوں نے مسیحی سماج کو (جو پہلے ہی سے نزار و نزار تھا اور مذہب کی گرفت اس پر ڈھیلی پڑ چکی تھی) ٹھکانے لگانے کے لیے جن ذرائع کا انتخاب کیا وہ حسب ذیل تھے۔

ادب، فلم سازی، تعلیم و تربیت، صحافت اور بعد میں الیکٹرانک میڈیا۔

امریکہ، فرانس اور برطانیہ کی سرزمین کو یہودیوں نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، انھوں نے پوری منصوبہ بندی سے ڈراموں، گانوں،...... اور فحش ناولوں کے ذریعہ نوجوان نسل پر یلغار کی اور اس کو گمراہیوں کے گہرے غار میں ڈھکیل دیا۔

مغربی ڈراموں کے تحلیل و تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ "اس کائنات اور اس میں موجود انسان کی تخلیق بے مقصد ہے، دونوں کے درمیان کوئی معقول اور منطقی رابطہ اور رشتہ نہیں، نہ ہی اس کائنات کا کوئی خالق و مالک اور مدبر ہے۔ اس لیے انسان جانوروں کی طرح یکسر آزاد و خود مختار ہے، وہ جس طرح چاہے زندگی گذارے۔

مشہور ڈرامہ نگار ٹی۔ ولیمس نے اپنے ڈراموں میں کھلے طور پر نئے دور کے امراض کو دور کرنے کے لیے آزاد جنسی تعلقات کی دعوت دی۔ اس نے لکھا کہ جب تک آزادانہ طریقہ سے انسانوں کے درمیان جنسی میل ملاپ نہیں ہوگا اس وقت تک انسان درجۂ کمال کو نہیں پہونچ سکتا۔ ٹی۔ ولیمس نے اپنے مشہور ڈرامہ "خواہش جس کا نام گاڑی ہے" میں لکھا ہے کہ جنسی خواہشات اور انسانی لذت کے آزادانہ حصول سے ہی انسانی تعلقات استوار ہوتے ہیں، فرد و سماج کی آزادی کا مطلب جنسی آزادی ہے، یہی ہمارے ڈراموں کا بنیادی مقصد ہے، اسی طرح ایک دوسرے ڈرامہ نگار جان واٹنگ نے "شیاطین" نامی ڈرامہ میں سیاسی عروج و اقتدار، دولت مندی اور اسلحہ و جنس کو کامیاب زندگی کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ برطانوی ڈرامہ نگار گلیز کوبرنے اپنے ڈرامہ "باغیچہ میں سب کچھ" میں بھی معاشرہ میں حصول عزت و دولت، شہرت و ناموری اور معیار زندگی بلند کرنے کے لیے بدکاری کو بطور پیشہ اختیار کرنے کی زبردست وکالت کی ہے اور اس کو فلسفہ بنا کر علمی و نفسیاتی دلائل کی روشنی میں پیش کیا ہے"

دوسرے مغربی ڈرامہ نگاروں میں البیر کامی، سلاکرو، ہارولڈ پنٹر، آرتھر آدمس، یوجن آئنیل وغیرہ نے خالق کائنات کے متعلق شکوک و شبہات اور انسانوں کے متعلق مایوسی و نامرادی کے احساسات لوگوں کے ذہنوں میں پیدا کیے، آخری دور میں سارتر نے کھل کر وجودی فلسفہ کی تلقین کی۔

اس طرح کے ڈرامے امریکی سماج میں اسٹیج کرنے والے فنکار و اداکار سب کے سب یہودی تھے، ہنری فورڈ کے تجربے اور جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۹۵ء تک پورے امریکہ میں ڈراموں اور فلموں پر یہودیوں کی اجارہ داری قائم ہو چکی تھی۔ روزانہ دو گھنٹے تک امریکی نوجوان جب ہیجان انگیز جنسی مناظر دیکھتے اور اسی طرح کے گانے اور مکالمے سنتے، برہنہ خوبصورت جسم دیکھتے، شبینہ کلبوں میں عریاں رقص کا مشاہدہ کرتے تو ان کے جسم میں آگ سی لگ جاتی، اخبارات اور ناول و کہانیوں کے ذریعہ ان کی مزید حوصلہ افزائی کی جاتی، جب ان ڈراموں اور فلموں کی مانگ فرانس و برطانیہ اور یورپ کے دوسرے ملکوں سے آنے لگی تو ان یہودی شاطروں نے تجارتی پیمانے پر ان ڈراموں اور ان میں کام کرنے والے فنکاروں کو تیار کر کے باہر بھیجنے کا کام شروع کر دیا۔ یہی حالت فلم سازی کے میدان میں دیکھنے میں آئی فحش گانوں کے سیلاب نے اچھے اچھے گھروں کو متاثر کیا، سستے قسم کے گھٹیا ناولوں نے دور دراز دیہاتوں تک کو متاثر کیا، ہنری فورڈ کے بقول امریکی سماج کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا، رہی سہی اخلاقی قدروں، معمولی مذہبی حس، سماجی بندش اور گرجا کی گرفت کو ملحدانہ نظام تعلیم و تربیت نے ختم کر دیا، اگر کسی صاحب ضمیر نے یہودیوں کی اس حرکت پر تنقید کی تو اس کو میڈیا کے زور پر معاشرہ میں الگ تھلگ کر دیا گیا اور رزق کے دروازے اس پر بند کر دیے گئے۔

امریکی ڈراموں کے مشہور نقاد "ہیرسن گری" نے ۲۵ دسمبر ۱۸۹۶ء میں اپنے رسالہ "ڈرامیٹک میرر" میں امریکی ڈراموں کا تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ "عجب سانحہ ہے کہ امریکی ڈراموں پر وہ جماعت چھائی ہوئی ہے جس کی نشو و نما صحیح طریقے سے نہیں ہوئی ہے"

(باقی ص۱۰ پر)

سوال وجواب

محمد طارق ندوی

س:۔ ایک مسجد میں امام مقرر ہے لیکن کبھی کبھی ان سے بہتر علما اور قرا اس مسجد میں آجاتے ہیں تو ان کی موجودگی میں امامت کا مستحق کون ہے؟

ج:۔ موجودہ صورت میں معین امام ہی امامت کا زیادہ مستحق ہے وہی امامت کرے گا۔ یا اگر وہ کسی عالم یا قاری کو اجازت دیدے تو وہ امامت کر سکتا ہے۔

س:۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسی عورتیں جو اپنے شوہر کے انتقال کے بعد زندہ رہتی ہیں وہ بدبخت ہوتی ہیں کیا یہ درست ہے؟

ج:۔ خوش بختی اور بدبختی تو آدمی کے اچھے یا برے اعمال پر منحصر ہوتی ہے اس کا انحصار شوہر کے پہلے یا بعد میں مرنے پر نہیں ہے۔

س:۔ کیا امام مہدیؑ کا درجہ پیغمبروں کے برابر ہوگا؟

ج:۔ امام مہدیؑ نبی نہیں ہوں گے اس لئے ان کا درجہ پیغمبروں کے برابر نہیں ہوگا۔

س:۔ کیا دجال کی آمد کا احادیث شریفہ میں ذکر موجود ہے؟

ج:۔ ہاں دجال کی آمد کے بارہ میں بہت سی احادیث کے اندر صراحت موجود ہے۔

س:۔ مقروض پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

ج:۔ اگر مقروض کے پاس صرف اتنا مال ہے کہ اس سے قرض کی ادائیگی ہوسکتی ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور اگر اس کے پاس اتنا مال ہے جو قرض سے زائد ہے تو اس صورت میں اگر زائد مال ضرورت اصلیہ سے زیادہ ہو اور بقدر نصاب ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

س:۔ اگر زکوٰۃ کے مال سے کتابیں خرید کر مستحقین زکوٰۃ کو دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

ج:۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے یہ ضروری ہے کہ بلا عوض مالک بنا دیا جائے اور وہ شرط یہاں پائی جا رہی ہے۔

س:۔ ایک شخص ہے جو صرف گاتا بجاتا ہے اور صرف یہی اس کی کمائی کا ذریعہ ہے تو کیا اس طریقے سے کمائے ہوئے مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

ج:۔ نہیں، گانے بجانے یا کسی بھی حرام طریقہ پر کمائی ہوئی ساری رقم کا غربا اور مساکین کو بلا نیت ثواب صدقہ کر دینا واجب ہے مذکورہ رقم حرام ہے اور حرام مال کسی کی ملکیت نہیں ہوتا ہے اس لئے زکوٰۃ دینے یا نہ دینے کا سوال ہی نہیں ہے۔

س:۔ کسی کی رقم بینک میں رکھی ہوئی ہے اور اس پر سال گذر گیا تو اس پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

ج:۔ اگر صاحب نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

بقیہ سفر قادیان

کہ جب بھی کسی قادیانی پر نظر پڑے تو پولیس سے کہہ دینا "ھذا قادیانی" آگے پولیس خود اپنا کام کرے گی اور یہ گرفتار ہوکر وہاں کے حکم کے مطابق واجب القتل ہیں مجھے ان لوگوں سے فرصت مل جاوے گی اور اس کے بعد میں روانہ ہوگیا۔

میں ابھی کلکتہ پہونچا بھی نہیں تھا کہ قادیانیوں کو واقعہ سے باخبر کر دیا گیا اور ان کا سربراہ فوراً ہوائی جہاز سے بمبئی پہونچ گیا اور اسی ویزا آفیسر سے ملا اور اس سے کہا کہ ہم آٹھ قادیانی حج کے لیے جا رہے ہیں ہمارے پاس پورٹ ویزا سب جائز ہیں اور ٹکٹ وغیرہ سب اوکے ہو چکا ہے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہاں ہمارے لیے خطرہ ہے تو آپ کو ہم مطلع کر رہے ہیں کہ ہماری حفاظت کا وہاں بندوبست کیا جائے۔ شاذلی صاحب نے ان سے کہا اپنے نام دیتے وغیرہ نوٹ کرایئے اور لکھنا شروع کیا اس نے آٹھوں کے پاسپورٹ نمبر ٹکٹ وغیرہ سب لکھا دیئے۔ شاذلی نے پوچھا اور کوئی پہنچنے لگے اور کوئی نہیں۔ اس نے دو خط کھینچے اور مخاطب ہوا "ان معلومات کے لیے آپ کا شکریہ ہم پریشان تھے اور تلاش کر رہے تھے آپ نے ہماری مشکل آسان کر دی اس کا مکرر شکریہ اب ہم صرف انسانیت کے ناطے آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ آپ نہ جائیں۔ ورنہ آپ یقین رکھیں سب سے پہلے ہم خدا کے بندے ہیں اور دوسرے نمبر پر ہم سعودیہ کے ملازم ہیں ہمارا کام یہی ہے کہ غیر مسلموں کو نہ جانے دیں ہم اپنا فرض ادا کریں گے اور ایرپورٹ پر آپ کا استقبال پولیس کرے گی و آپ کو گرفتار کر کے ملکی قانون کے مطابق آپ کا فیصلہ ہوگا اب آپ کو اختیار ہے جو چاہے کریں۔ "دام میں خود صیاد آگیا" اس کے بعد کس میں ہمت تھی کہ سفر کرتا۔

یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوا ورنہ

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
اے باد صبا یہ تری مہربانی

فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کا قافلہ قصبہ زمانیہ میں

مولانا محمد انعام صاحب غازی پوری، ناظم تعلیمات جامعہ اسلامیہ قاسم العلوم قصبہ زمانیہ ضلع غازی پور، اگست کے اواخر میں دارالعلوم تشریف لائے تھے یہاں کے تعلیمی اور تربیتی نشاطات کو دیکھنے کے ساتھ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی دامت برکاتہم، ناظم ندوۃ العلماء سے خاص طور سے ملنے اور فائدہ اٹھانے کا شوق تھا، مگر افسوس اس زمانے میں حضرت مولانا دامت برکاتہم باہر کے سفر پر تشریف لے گئے۔

واپسی پر مولانا غازی پوری نے یہ خط مولانا سعید الاعظمی صاحب ندوی مدیر البعث الاسلامی، و مشرف اداری و تعلیمی دارالعلوم ندوۃ العلماء کو بھیجا چونکہ اس کے مندرجات تاریخی حیثیت سے اہم ہیں اس لئے ہدیۂ ناظرین ہے۔

مشرقی اترپردیش میں ضلع غازیپور کے اندر "قصبہ زمانیہ" ایک قدیم اور مشہور قصبہ ہے، اس قصبہ کی ایک تاریخ ہے۔

ہمارے بزرگوں میں ایک عظیم اور مثالی شخصیت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہیں جب آپ نے براہ گنگا طویل سفر کیا تھا تو اس قصبہ کی سرزمین کو بھی آپ کی جلوہ فرمائی کا شرف حاصل ہوا۔ قصبہ زمانیہ میں دو روز قیام فرمایا۔ مولانا سید محمد میاں صاحبؒ "زمانیہ دو روز" کے ذیلی عنوان کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔

زمانیہ۔ دو روز۔ قصبہ زمانیہ میں سید صاحب کے دوستوں میں ایک صاحب رستم علی خان تھے، وہ اس زمانہ میں ٹونک گئے ہوئے تھے، ان کا بیٹا آپ کو اپنے گھر لے گیا۔ وہاں کے بہت سے پٹھانوں نے بیعت کی، قریب کے جنگل میں ایک مجذوب رہتا تھا، اگر کوئی شخص اس کے پاس جاتا تھا تو پتھروں سے خبر لیتا تھا، سید صاحب تنہا اس کے پاس گئے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ دیا، مجذوب نے سید صاحب کو دیکھا تو بڑی خوش الحانی سے حافظ کی غزل پڑھی، جس کا پہلا شعر یہ ہے

تعالی اللہ چہ دولت دارم امشب
کہ آمد ناگہاں دلدارم امشب

پوری غزل کیف و مستی کی حالت میں پڑھی پھر خواجہ حافظ کی دو غزلیں سنائیں۔ آخر میں دریافت کیا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ سید صاحب نے بتایا کہ حرمین شریفین الخ۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی ص ۱۵)

قصبہ زمانیہ ایک قدیم اور تاریخی قصبہ ہونے کے ساتھ اور بھی مختلف خصوصیتوں کا حامل ہے۔ یہاں کی کل آبادی تقریباً پچاس ہزار ہے، مسلمانوں کی آبادی ۳۵ فیصد ہے۔ جہالت عام تھی، بدعات و خرافات کا رواج تھا۔ دینی تعلیم کا فقدان، اسلام اور اسلام کے شعار سے نفرت، رسم و رواج اور آبائی تقلید میں لوگ بہت سی خرافات میں مبتلا تھے۔ لیکن ..... الحمد للہ آج سے ۱۳ رسال قبل یہاں ایک دینی مدرسہ قاسم العلوم کا قیام عمل میں آیا، محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمۃ اللہ کے متبرک ہاتھوں سے مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اور اتفاق یہ کہ قصبہ کے پٹھان ٹولی "محلہ کے قریب واقع جنگل اس ادارہ کے لیے جائے وقوع ہوا، عجب نہیں بلکہ غالب گمان ہوتا ہے کہ یہی وہ جگہ ہو جس کی طرف مولانا میاں صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں "قریب کے جنگل میں" کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے۔

ادارہ کے قیام کے وقت حالات انتہائی ناسازگار، مخالفت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا طوفان "دیوبندیت اور وہابیت" کی برائی برائی گالیاں۔ بہ ظاہر حال قیام مشکل ہی نہیں، مشکل ترین کام تھا، لیکن محض

خدائے واحد کے توکل پر ادارے کا قیام ہوا، الحمد للہ قیام کے ۱۳ سال گذر گئے اور کل کا پودا آج تناور درخت کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ جلالین شریف اور ہدایہ اولین تک کی تعلیم ہوتی ہے۔

اسباب کی دنیا میں اس ادارہ کا مالی سہارا صرف عوامی تعاون پر تھا۔ اور ہے، آج تک ادارہ نے حکومت وقت سے کسی طرح کا کوئی تعاون قبول نہیں کیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ مخالفت کے باوجود کاروان تعلیم کی یہ کشتی چلتی، اور اپنی منزل مقصود تک پہونچنے کے لیے

اپنی بساط کے مطابق رواں دواں ہے۔

ہم نے اگست کے اواخر میں ندوۃ العلماء جس کے سالار کارواں حضرت سید صاحب ہی کے خانوادہ کے چشم و چراغ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ہیں، لکھنؤ کا سفر کیا تھا، ارادہ تھا کہ اہل علم حضرات سے ملاقاتیں ہوں گی، تبادلۂ خیالات ہوں گے۔ موجودہ ملی و ملکی حالات میں مدرسوں کی بقا و تحفظ کے سلسلہ میں مشورے ہوں گے، لیکن جب ہم ندوۃ العلماء پہونچے تو معلوم ہوا کہ ندوۃ کی تقریباً سبھی بڑی شخصیتیں ترکی کے سفر پر ہیں۔ بے اختیار زبان سے نکلا "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"۔

مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری، مولانا شمس الحق ندوی مدظلہما سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک روز ندوۃ میں قیام رہا۔ اولاً الذکر بزرگ سے بڑا تعاون ملا۔ لائبریری تحقیقات و نشریات، درسگاہوں، قیام گاہوں اور مختلف دفاتر میں حضرت مولانا کی معیت میں جانا ہوا۔ الحمد للہ طبیعت بہت خوش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نظرِ بد سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ خدا کرے آنجناب بعافیت ہوں، بقیہ حالات لائق صد شکر ہیں۔

دعوات صالحہ میں یاد رکھیں۔

فقط والسلام

ناظم تعلیمات

محمد انعام غازی پوری

الجامعۃ الاسلامیۃ قاسم العلوم

بقیہ: سمرقند و بخاری

والوں کے اطمینان کیلئے پالیسی میں فرق بھی کیا گیا ہے۔ امام بخاری کانفرنس کو بھی غالباً انہی وجوہ کے سبب یہاں منعقد کئے جانے کا موقع ملا اور اس میں حکومت کے اعلیٰ نمائندوں نے رواداری اور قدرے وسعت خیال کا مظاہرہ کیا اور کانفرنس میں مذہبی ذہن کے لوگ اور اسلام کے نمائندے شریک ہوئے اور سرگرم حصہ لے سکے اور دینی معاملہ میں رواداری برتی گئی۔

امام بخاری کانفرنس کے متعدد شرکاء کو جن میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور ان کے رفقاء تھے، سمرقند سے بخاری بذریعہ روڈ سفر کرنے کا موقع ملا، قصبات و دیہات سے گذر ہوا، راستہ میں ایک قصبہ میں اتر کر چائے خانے اور بازار میں آزادانہ چل پھر کر دیکھنے اور ملنے کی سہولت رہی اور اس طرح اس علاقہ کی عوامی زندگی کو دیکھنے کا موقع ملا۔ ملنے اور دیکھنے سے یہ محسوس ہوا کہ یہاں کے باشندے محنتی، سادہ مزاج اور متوسط حالات یا اس سے کم کی زندگی گذارنے والے ہیں، ۷۵ سال کے سخت گیر کمیونسٹ اقتدار نے ان میں خوشحالی کا معیار بننے نہیں دیا۔ ان میں کم آمیزی بھی پیدا کی، اب وہ سوویت روس کے مضبوط اتحاد سے نکل چکے ہیں لیکن ابھی اس کے اثرات دور نہیں ہوئے ہیں۔ اس لئے بے تکلفی، آزادانہ خلا ملا میں احتیاط کرتے ہیں۔ ان کا لباس اور ان کی ثقافت، ہند و پاک کے مسلمانوں کے لباس و ثقافت سے کسی حد تک قریب معلوم ہوتی ہے، دیسی وضع کے لوگوں میں کرتے پجامے اور شیروانی نما لباس یہی تصور دیتا ہے عورتوں کا کرتہ پجامہ ہند و پاک کی مسلمان عورتوں کے کرتے شلوار سے قریب معلوم ہوا اور یہ تعجب کی بات بھی نہیں کیونکہ یہاں صدیوں حکومت کرنے والا مغل خاندان اسی علاقہ سے تعلق رکھتا ہے اور ہند و پاک کے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن انھیں سے لیا ہوا ہے۔ (جاری)

دُعائے مغفرت

- جناب محمد ایوب خاں صاحب رائے بریلی موضع تندوا جن کو مولانا محمد ثانی صاحبؒ ناظم مدرسہ فلاح المسلمین تندوا سے خصوصی تعلق تھا اور انھوں نے اپنی گوجر برادری میں بڑا دعوتی کام کیا تھا۔ موصوف کا دو ماہ کی طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ٥
اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔
- الحاج عبدالکریم صاحب یمنا نگر ہریانہ کا ایک سو بیس برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ٥
مرحوم کے پڑپوتے دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی میں پڑھتے ہیں۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مختصر
عالمی خبریں

معین اشرف ندوی

- افغانستان کے مجاہد کمانڈر ابو عبدالعزیز نے بوسنیا کے بارے میں بتایا کہ جب سے کروشیا نے پناہگاہ کی سرحد بند کر دی ہے اور کھانے پینے کا کوئی سامان اپنی سرحد سے وہاں نہیں جانے دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے بوسنیائی فوجوں نے کئی گاؤں اور چودہ گرجا گھروں کو فتح کر کے کھانے پینے کا اتنا سامان حاصل کر لیا ہے جو ایک سال کے لیے کافی ہے ان گرجا گھروں پر مجاہدین کا قبضہ ہے، مال غنیمت میں اسلحہ بھی ملا ہے۔
- پاکستان کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے ایک بیان میں کہا ہے کہ اسلام کے بارے میں میرا تصور بالکل صاف اور واضح ہے، اسلام نے جو بنیادی حقوق عورتوں کو دیئے ہیں کسی اور مذہب میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، اور میں اسلام ہی کو عہد جدید کے چیلنجوں کا جواب سمجھتی ہوں۔
- آسٹریلیا کے ممتاز ادیب ٹونی کتھ نے اسلام آباد کی فیصل مسجد میں اسلامی یونیورسٹی کے دعوۃ اکیڈمی کے ڈائرکٹر جنرل کے ہاتھوں پر اسلام قبول کر لیا ہے انھوں نے ان کا اسلامی نام محمد طاہر رکھا ہے۔
- برطانیہ میں شادیوں کی شرح میں غیر معمولی طور پر ۱۰ فیصد کمی آگئی ہے جو جنگ عظیم کے بعد کمی کا ایک ریکارڈ ہے جب کہ طلاقوں کی شرح خوفناک حد تک بڑھ گئی ہے ہر دو میں سے ایک شادی طلاق پر ختم ہو رہی ہے اور ایک اخباری سروے کے مطابق ۱۶ سال سے کم عمر کے ایک لاکھ ۶۰ ہزار ۷ سو چوراسی بچے ایسے ہیں جن کے والدین طلاق سے علاحدہ ہو گئے ہیں۔
- انتھوپیا کے وزیر اعظم کے اعلان کے مطابق انتھوپیا اور اریٹیریا کے لوگوں کو بغیر ویزے کے دونوں ملکوں میں آزادانہ سفر کرنے کی اجازت ہوگی البتہ اپنے ملک کا پاسپورٹ ساتھ رکھنا ضروری ہوگا۔
- متحدہ عرب امارات کے سپریم کورٹ نے ایک مجرم کو ماتحت عدالت کی طرف سے دی گئی، ۸۰ کوڑوں اور ایک ماہ کی قید کی سزا کو غلط قرار دے کر اسے بری کرنے کا حکم دیا ہے گلف نیوز نے وزارت انصاف کے ایک جریدے کے حوالے سے یہ خبر دیتے ہوئے بتایا ہے کہ غیر مسلموں کو اسلامی قوانین کے تحت سزا نہیں دی جا سکتی۔
- برطانیہ کے ولی عہد پرنس چارلس نے آکسفورڈ سنٹر برائے اسلامک اسٹڈیز میں حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اہل مغرب کو اسلام کے بارے میں بہتر طور پر سمجھنے اور کھلے دل سے مطالعہ کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ انھوں نے اسلام میں عورتوں کے تعلق سے کہا کہ یورپ سے کہیں پہلے ترکی، مصر اور شام میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق دیا گیا تھا جبکہ سوئٹزرلینڈ میں ابھی عورتوں کو پہلے یہ حق حاصل نہیں تھا۔ انھوں نے مزید کہا کہ عیسائیت کائنات کو سمجھنے کی قوت کھو چکی ہے اب وہ مذہب اسلام ہی سے دوبارہ یہ قوت حاصل کر سکتی ہے۔
- سعودی عرب جو ایک غیر زرعی ملک ہے ایک اخباری اطلاع کے مطابق جدید ٹکنالوجی سے فائدہ اٹھا کر وہاں کی زمینوں کو زرخیز بنایا گیا ہے اب سعودی عرب پیداوار میں [illegible] دوسرے ملکوں کو بھی دیتا ہے [illegible] یہ ملک آگے [illegible] میں اس کی [illegible] سمجھی جا رہی ہے۔
- برطانیہ کے [illegible] دیئے ہیں کہ ان کا [illegible] لوگوں کا [illegible] نسل پرستی کے خلاف قوانین [illegible] جائیں۔

مولانا نیر ربانی صاحب انتقال فرما گئے

مولانا نیر ربانی صاحبؒ [illegible]

[illegible] انتقال فرما گئے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

[illegible]

دارالعلوم ندوۃ العلماء [illegible] ندوہ اور حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ سے [illegible] تعلق رکھتے تھے دارالعلوم میں مرحوم کے لیے ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

(ادارہ)